مارچ ۱۹۹۷ء

36/11b/37

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستان میں مسلم لیگ کے احیاء کے تقاضے
اور نواز شریف کو مخلصانہ مشورے

امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد

وقت کے نہایت اہم' انتہائی نازک اور حساس موضوع پر

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کی وقیع تالیف

شیعہ سنی مفاہمت

کی ضرورت و اہمیت

شائع ہو گئی ہے۔ جس میں مذکورہ بالا موضوع پر محترم ڈاکٹر صاحب کے فکر انگیز خطاب کے ساتھ ساتھ درج ذیل موضوعات پر مضامین بھی شامل ہیں :

i) حضرت مہدی موعود کی شخصیت کے بارے میں اہل سنت و اہل تشیع کا موقف (از : ڈاکٹر اسرار احمد)

ii) امیر تنظیم اسلامی کے سفر ایران کے مشاہدات و تاثرات

iii) اسلام میں مختلف مسالک کی حیثیت اور مفاہمت کا راستہ (خطاب : آیت اللہ محمد واعظ زادہ خراسانی)

خود بھی مطالعہ کیجئے اور اپنے حلقہ احباب میں بھی عام کیجئے!

صفحات ۱۳۴' سفید کاغذ' عمدہ طباعت' قیمت ۴۰ روپے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن فون : 5869501

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اُوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد کرو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد :	۴۶
شمارہ :	۳
ذوالقعدہ	۱۴۱۷ھ
مارچ	۱۹۹۷ء
فی شمارہ	۱۰/-
سالانہ زرتعاون	۱۰۵/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 امریکی ڈالر
- سعودی عرب، کویت، بحرین، عرب امارات، قطر، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان — 17 امریکی ڈالر
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔فون : 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ **عرض احوال** _____ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ **تذکرہ و تبصرہ** _____ ۱۵

مسلم لیگ کا حالیہ احیاء اور نواز شریف صاحب کو مخلصانہ مشورے

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **حقیقت تصوف** (۲) _____ ۷۰

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **افہام و تفہیم** _____ ۷۶

"قرض اتارو، ملک سنوارو" سکیم میں زکوٰۃ کی رقم کا استعمال؟

ڈاکٹر اسرار احمد

رفقاء تنظیم اسلامی نوٹ فرمالیں!

تربیتی و مشاورتی اجتماع برائے ملتزم رفقاء

۲۱ تا ۲۳/اپریل "قرآن اکیڈمی" لاہور

میں منعقد ہوگا۔ ان شاء اللہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

یہ خبر کثر قارئین تک پہنچ چکی ہو گی کہ اتوار ۲۳/ فروری کو صبح ساڑھے نو بجے میاں محمد شریف صاحب اپنے تینوں صاحبزادوں یعنی میاں محمد نواز شریف (وزیر اعظم پاکستان)' میاں شہباز شریف (وزیر اعلیٰ پنجاب) اور میاں عباس شریف سمیت امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد سے ملاقات کے لئے قرآن اکیڈمی تشریف لائے۔ یہ ملاقات امیر تنظیم کے دفتر میں ہوئی' قریباً نصف گھنٹہ معزز مہمان امیر تنظیم کے ساتھ رہے' اور مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔

ہمیں خوب اندازہ ہے کہ قارئین "میثاق" اور دیگر رفقاء و احباب اس ملاقات کا پس منظر اور اس کی تفصیلات جاننے کے لئے شدت کے ساتھ خواہش مند ہوں گے۔ بعض اخبارات میں اگرچہ اس ملاقات کی جزوی تفصیلات شائع ہو چکی ہیں تاہم قارئین "میثاق" کا ہم یہ حق سمجھتے ہیں کہ انہیں اس معاملے کے پورے پس منظر اور مکمل تفصیلات سے آگاہ کیا جائے۔ رفقاء تنظیم اسلامی کی اطلاع کے لئے یہ تفصیلات "خبرنامہ خلافت" کے سابقہ شمارے میں شائع کر دی گئی تھیں۔ لیکن چونکہ مذکورہ خبرنامہ کی اشاعت محدود ہے اور ہمارے وسیع تر حلقہ احباب بالخصوص بیرون پاکستان کے رفقاء و احباب تک اس کی رسائی نہیں ہے لہٰذا ضروری خیال کیا گیا کہ اسے "میثاق" میں بھی شائع کیا جائے۔

ملاقات کا پس منظر اور تفصیلات

اس ملاقات کے پس منظر کی وضاحت میاں محمد نواز شریف صاحب کے والد محترم جناب میاں محمد شریف کے نام امیر تنظیم اسلامی کے اس خط کے ذریعے بخوبی ہو جاتی ہے جو امیر محترم نے ۱۸/ فروری کو اپنے ۱۴/ فروری کے خطاب جمعہ کے کیسٹ کے ہمراہ ارسال فرمایا تھا جس میں امیر محترم نے حالیہ انتخابات کے متعدد مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنے اور بعض منفی پہلوؤں کا ذکر کرنے کے علاوہ "الدین النصیحہ" کے

حوالے سے وزیر اعظم پاکستان جناب نواز شریف کو بعض مشورے بھی دیئے تھے اور احیاء اسلام اور احیاء نظام خلافت کے حوالے سے بعض معین نکات بھی پیش کئے تھے۔ (یہ مکمل خطاب جمعہ مرتب صورت میں شمارہ ہذا میں شامل ہے)

خط کا متن حسب ذیل ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۶۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور فون : دفتر 3-5869501
۱۸/ فروری ۱۹۹۷ء رہائش 5834249

محترمی میاں محمد شریف صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

امید ہے کہ آپ بفضلہ تعالیٰ بخیر وعافیت ہوں گے۔

آپ سے ایک ملاقات تقریباً سوا سال قبل حرم شریف میں ہوئی تھی۔ میری چونکہ اس سے قبل آپ سے کوئی بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی تھی لہٰذا میں تو پہچان نہیں سکا تھا۔ البتہ آپ کا کرم تھا کہ آپ مجھے wheel chair پر بیٹھے دیکھ کر میری مزاج پرسی کے لئے خود چل کر آئے تھے ـــــ اور آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں لاہور میں ملاقات کے لئے آؤں گا۔ میں نے آپ کی اس کرم فرمائی کی بنا پر اپنا فرض سمجھا تھا کہ جب جدہ سے واپسی کے سفر کے دوران معلوم ہوا کہ آپ بھی اسی فلائٹ پر تشریف فرما ہیں تو اپنے اکانومی کے کیبن سے آپ کے فرسٹ کلاس کے حصے میں اپنی گھٹنوں کی شدید تکلیف کے باوجود چل کر گیا تھا تاکہ آپ کو سلام کر سکوں ـــــ کچھ خیال یہ بھی ہے کہ اس وقت بھی آپ نے دوبارہ یہ ارادہ ظاہر فرمایا تھا کہ لاہور میں ملاقات کے لئے تشریف لائیں گے۔

بعد میں تاحال آپ تو اپنی شدید مصروفیات کی بنا پر تشریف نہ لا سکے۔ ادھر میں نے بھی اس اصول کے تحت حاضر ہونا مناسب نہیں سمجھا کہ دین کے خادموں کا امراء کے گھروں پر حاضری دینا پسندیدہ بات نہیں ہے۔

اب حال ہی میں پاکستان کے حالات میں جو "انقلاب" آیا ہے' اس کے پیش نظر میں عریضہ ہذا کے ذریعے نصف ملاقات کی حاضری دے رہا ہوں۔

آپ کے صاحبزادوں کو اللہ تعالیٰ نے ملکی سیاست کے میدان میں غیر متوقع طور پر جو عظیم کامیابی عطا فرمائی ہے وہ ایک جانب اگر اللہ کے عظیم فضل و احسان کی مظہر ہے تو دوسری جانب اتنے ہی بڑے ابتلاء و امتحان کا ذریعہ بھی ہے۔ اور شدید اندیشہ ہے کہ اس میں ناکامی نہ صرف ان کے اور آپ کے پورے خاندان کے لئے بلکہ پورے پاکستان کے لئے نہایت تباہ کن ثابت ہو۔

اس موقع کی اہمیت کے پیش نظر میں نے جمعہ ۱۴/ فروری کو مسجد دارالسلام، باغ جناح، لاہور میں جو تقریر کی تھی، اور اس میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم : "الدین النصیحہ" کے مطابق جو کچھ عرض کیا تھا مجھے خوب اندازہ ہے کہ میاں محمد نواز صاحب یا میاں محمد شہباز صاحب کے لئے تو اس وقت یہ ممکن ہی نہیں ہو گا کہ وہ اسے سننے کے لئے وقت نکال سکیں ـــــ لہٰذا کچھ اسی سبب سے، اور کچھ اس بنا پر کہ مجھے خوب اندازہ ہے کہ آپ کے خاندان میں خالص مشرقی تہذیب کے اثرات بہت حد تک باقی ہیں اور آپ کے صاحبزادے آپ کے زیر اثر ہی نہیں تابع فرمان بھی ہیں، میں آپ کی خدمت میں اپنی تقریر کے آڈیو کیسٹ ارسال کر رہا ہوں تاکہ اگر آپ کے لئے ممکن ہو تو آپ وقت نکال کر ان کی سماعت فرمالیں۔

پھر اگر آپ کو کسی معاملے میں مزید وضاحت کی ضرورت محسوس ہو تو اگر آپ تشریف لانے کی زحمت گوارا کر سکیں تو یہ میرے لئے موجب اعزاز ہو گا۔ اور اگر مجھے طلب فرمائیں تو میں اس مقصد کے لئے سر کے بل حاضر ہونا موجب سعادت سمجھوں گا۔ فقط والسلام مع الاکرام

اسرار احمد عفی عنہ

میاں محمد شریف صاحب نے امیر محترم کا اس درجے اکرام کیا کہ اپنے تینوں صاحبزادوں سمیت امیر محترم سے ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ بلاشبہ یہ ان کی شرافت و مروت اور تواضع و انکساری کا بہت بڑا مظہر ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ قرآن اکیڈمی کے گیٹ پر معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے تنظیم اسلامی کے نائب امیر جناب سید نسیم الدین صاحب اور ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق کے علاوہ مرکزی انجمن کے ناظم اعلیٰ جناب قمر سعید قریشی صاحب اور قرآن اکیڈمی کے مدیر عمومی محمود عالم میاں صاحب بھی موجود تھے۔ ساڑھے نو بجے صبح کا وقت ملاقات کے لئے طے

تھا۔ معزز مہمان طے شدہ وقت سے بھی چار پانچ منٹ قبل سیکیورٹی کے مختصر عملے کے ساتھ قرآن اکیڈمی پہنچ گئے۔ امیر تنظیم کو اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے دفتر سے نکل کر معزز مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

میاں محمد شریف صاحب نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے امیر محترم سے اپنی ان ملاقاتوں کا مختصر ذکر کیا جن کا ذکر امیر تنظیم کے مکتوب میں موجود ہے' اور اولاً اپنی ملاقات میں تاخیر کے اسباب کے ضمن میں اپنی طویل علالت کا ذکر کیا جس کی بنا پر وہ چھ ماہ کے قریب تو ملک سے باہر ہی رہے تھے' اور اس کے بعد فرمایا کہ چند روز قبل ڈاکٹر صاحب کا بہت ہی اچھا خط مجھے ملا تو میں نے خود ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا۔

امیر محترم نے میاں شریف صاحب کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا آپ حضرات کی آمد میرے لئے باعث عزت افزائی ہے اور آپ نے میرا اور میرے خط کا جو اکرام فرمایا ہے وہ میری توقع سے بہت بڑھ کر ہے۔ حالیہ انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نوع کی کامیابی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے اس کی توقع کسی کو نہیں تھی۔ اللہ نے آپ کو ملک و قوم کے مستقبل کو سنوارنے کا ایک سنہری موقع عطا کیا ہے۔ اور اس حوالے سے آپ پر بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ آپ کو اسمبلی میں بھاری عددی اکثریت حاصل ہے اور اب آپ کے لئے پورا موقع ہے کہ قرآن و سنت کی بالادستی کے لئے دستور میں وہ ضروری ترمیم کروا سکتے ہیں جس کا آپ نے اپنے سابقہ دور حکومت میں وعدہ کیا تھا لیکن اس پر عملدرآمد کی نوبت نہ آسکی تھی۔ امیر تنظیم نے اپنے ۱۴/ فروری کے خطاب جمعہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس خطاب میں میں نے تفصیل سے بتایا ہے کہ حقیقی اسلامی نظام اور نظام خلافت کے قیام کے لئے کون کون سے ضروری قدم آپ کو اٹھانے ہوں گے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ حالیہ انتخابات کے نتیجے میں تحریک پاکستان کا جذبہ ایک بار پھر تازہ ہو گیا ہے اور اس مثالی اسلامی ریاست کے قیام کی راہ ہموار ہوئی ہے جس کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا اور جس کو قائم کرنے کے عزم کا اظہار قائداعظم کی جانب سے بھی بارہا ہوا۔ امیر محترم نے یہ بات زور دے کر کہی کہ پاکستان کی اولین قیادت سے جو غلطی اس باب میں ہوئی تھی اب اس کا اعادہ نہیں ہونا

چاہئے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ شاید یہ آخری موقع ہو جو اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اس موقع سے اگر ہم نے فائدہ نہ اٹھایا تو بدترین انجام ہمارا مقدر بن سکتا ہے۔ معزز مہمانوں کی جانب سے' جو اب تک سراپا گوش تھے' پہلی بار محترم شہباز شریف صاحب نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ ہم آپ سے اسی ضمن میں رہنمائی لینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں' ہم خود خلافت راشدہ کے نظام کے قیام کے خواہاں ہیں اور آپ سے سمجھنا چاہتے ہیں کہ اس کے لئے کون سے اقدامات ہمیں کرنا ہوں گے۔ امیر تنظیم نے جواب میں اپنے اسی موقف کا اعادہ کیا جس کا اظہار وہ پبلک پلیٹ فارم سے بارہا کر چکے ہیں کہ دستور میں قرآن و سنت کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی اگر طے کر دی جائے تو دستوری سطح پر قیام خلافت کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ تاہم اس کے لئے ضروری ہو گا کہ اولاً دستور میں موجود اس ابہام کو دور کر دیا جائے جس کے باعث قرار دادِ مقاصد دستور کا حصہ ہوتے ہوئے بھی غیر موثر ہے اور دستور میں شامل بعض دوسری دفعات کو جو اس سے متصادم ہیں' موثر مان کر ہماری عدلیہ اب تک فیصلے صادر کرتی رہی ہے۔ ثانیاً وفاقی شرعی عدالت پر سے وہ تحدید ختم کر دی جائے جو ضیاء الحق مرحوم نے عائلی قوانین اور بعض دیگر اہم امور کے ضمن میں اس پر عائد کر دی تھی۔ اور اس کا درجہ کم از کم ہائی کورٹ کے برابر قرار دیا جائے۔

امیر تنظیم نے جنرل ضیاء الحق مرحوم کے اسلامائزیشن کے عمل یعنی اولاً قرار دادِ مقاصد کو دستور کے محض دیباچے کے درجہ سے اٹھا کر باقاعدہ جزو دستور بنا دینا' اور ثانیاً وفاقی شرعی عدالت کے قیام کی بھرپور تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ صحیح سمت میں ایک قدم تھا جو اٹھایا گیا۔ لیکن عائلی قوانین' مالی معاملات' جوڈیشیل لازاور دستور پاکستان کو اس کے دائرہ کار سے باہر رکھنا کسی طور درست نہ تھا۔ امیر محترم نے فرمایا کہ دستور میں مذکورہ بالا تبدیلی کے نتیجے میں دستوری سطح پر قیام نظام خلافت کا تقاضا تو اگرچہ پورا ہو جائے گا لیکن اس کے بعد ملکی قوانین کو قرآن و سنت کے تابع کرنے کے لئے ایک مدت درکار ہو گی اور یہ کام ایک تدریج کے ساتھ ہی ہو سکے گا۔ تاہم بحالات موجودہ یہی ایک قابل عمل طریقہ ہے۔

ملکی معیشت کو سود سے پاک کرنے کے عملی طریق پر گفتگو کرتے ہوئے امیر تنظیم نے میاں نواز شریف صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے اولین قدم کے طور پر آپ نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف عدالت عالیہ میں جو اپیل دائر کی تھی اسے فی الفور واپس لیجئے۔ اور اس کے ساتھ ہی بینکنگ کے نظام کو سود سے پاک کرنے کے لئے آپ وفاقی شرعی عدالت سے چند سالوں کی مہلت حاصل کر لیجئے۔ پھر اسلامی نظام معیشت کے ماہرین پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیجئے جس میں پاکستان کے علاوہ پورے عالم اسلام کے نامور سکالرز کو بھی دعوت دیجئے کہ وہ اسلامی بینکنگ کے لئے قابل عمل اصول وضع کریں اور موجودہ سودی بینکاری کی جگہ بلاسود بینکاری کا نظام مدون کریں۔ میاں نواز شریف صاحب نے امیر تنظیم کی تجویز کے دوسرے حصے کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کام ہم فوری طور پر کرنے کو تیار ہیں۔ ہم بہت جلد ماہرین اقتصادیات کا ایک بورڈ بنا کر یہ کام ان کے سپرد کریں گے اور پھر کسی مرحلے پر وہ اپیل بھی واپس لے لیں گے۔ امیر محترم نے ان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ وہ اپیل تو آپ کو فوراً واپس لینی چاہئے۔ آپ عدالت سے دو سال کی مہلت مانگ لیجئے اور علمی سطح پر بینکنگ کے نظام کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کے عمل کا آغاز کر دیجئے۔ پھر اگر آپ کو مزید وقت درکار ہوا تو عدالت سے مزید مہلت حاصل کی جا سکتی ہے۔ میاں شہباز شریف کا خیال تھا کہ ہمیں عدالت سے تین سال کی مہلت حاصل کرنی چاہئے۔ جس پر امیر تنظیم اسلامی نے فرمایا کہ تین سال نہیں زیادہ سے زیادہ دو سال کی مہلت طلب کریں لیکن محترم میاں محمد شریف صاحب نے امیر محترم کی بات سے اصولی طور پر اتفاق کرتے ہوئے اور اپنی بات پر غیر معمولی زور دیتے ہوئے فرمایا کہ ابتداً ایک سال کی مہلت حاصل کی جائے اور کوشش کی جائے کہ ایک سال سے بھی کم عرصے میں بلاسود بینکاری کا نظام رائج ہو جائے۔ جس پر جملہ حاضرین مجلس نے آمین کہا!

تیسرا اہم نکتہ جسے امیر تنظیم اسلامی نے زور دے کر بیان کیا وہ جاگیرداری نظام کے خاتمے اور مروجہ زمینداری نظام کی اصلاح سے متعلق تھا۔ امیر محترم نے ان معزز مہمانوں پر' جن کے ہاتھ میں اس وقت ملک و قوم کی زمام کار ہے' یہ واضح کیا کہ

جاگیرداری نظام کے خاتمے اور نئے بندوبست اراضی کے ضمن میں ہمیں شمشیر فاروقیؓ سے کام لینا ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے اجتہادی فیصلے کے نتیجے میں بلاد اسلامیہ کے وہ تمام علاقے جو بزور شمشیر اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے' عشری یعنی افراد کی ملکیت نہیں بلکہ خراجی یعنی اجتماعی ملکیت قرار دیئے گئے۔ اس اعتبار سے پاکستان کی اراضی بھی عشری اور ملکیتی نہیں بلکہ خراجی یعنی قومی ملکیت قرار پاتی ہیں۔ معزز مہمانوں نے اس بحث میں دلچسپی لیتے ہوئے عشری اور خراجی زمینوں کے فرق کی وضاحت چاہی تو امیر تنظیم نے فرمایا کہ عشری زمینیں ملکیتی ہوتی ہیں۔ اور ان کی پیداوار سے زکوٰۃ کی طرح عشریا نصف عشر وصول کیا جاتا ہے۔ مزید برآں شریعت اسلامی کی رو سے کسی کی ملکیتی زمین میں سے اس کی رضامندی کے بغیر جبراً ایک انچ لینا بھی جائز نہیں ہے' اور اسی بنیاد پر سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت اپیلیٹ بنچ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ کسی جاگیردار یا زمیندار سے اس کی زمین جبراً حاصل نہیں کی جاسکتی۔ جبکہ خراجی زمینیں فی الاصل ریاست کی ملکیت ہوتی ہیں اور ریاست جب چاہے نیا بندوبست اراضی کر سکتی ہے۔ امیر تنظیم نے بتایا کہ پچھلی صدی تک ہمارے علماء کرام پاک و ہند کی اراضی کو خراجی قرار دیتے تھے۔ چنانچہ برصغیر کے عظیم مفسر' محدث' فقیہ اور شیخ طریقت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے فقہی مسائل کے موضوع پر اپنی مشہور کتاب "لابد منہ" میں' جو اب تک ہمارے دینی مدارس کے نصاب میں شامل رہی ہے' صاف طور پر لکھا ہے کہ "برصغیر کی تمام اراضی چونکہ خراجی ہیں لہٰذا میں اپنی اس کتاب میں عشری اراضی کے متعلق شرعی احکام کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کر رہا کہ طالب علموں کے ذہنوں پر ناروا بوجھ آئے گا"۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے ایک جید عالم دین نے اپنی ایک تالیف میں یہ رائے دے دی کہ پاکستان کی زمینیں عشری ہیں۔

اسی طرح مروجہ نظام زمینداری پر گفتگو کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے بتایا کہ دور ملوکیت میں اسلام کا جو فقہی نظام مدون ہوا وہ ملوکیت کے اثرات سے پورے طور پر محفوظ نہ رہ سکا۔ اور اسی دور میں مزارعت کے جواز کا فتویٰ دیا گیا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مزارعت قطعی طور پر حرام ہے اور امام شافعیؒ بھی صرف

باغات کے تابع اراضی میں مزارعت کو جائز قرار دیتے تھے' کھلے کھیت میں مزارعت کو وہ بھی غلط سمجھتے تھے۔ امیر تنظیم نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ میرے کہنے پر پاکستان کو زمینوں کی خراجی اور مزارعت کو ناجائز قرار دے دیں بلکہ میری تجویز یہ ہے کہ ایسے علماء کرام کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جو ان امور میں خصوصی مہارت رکھتے ہوں اور اجتہادی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہوں کہ وہ ان امور پر تبادلہ خیال کرے' غور و فکر کرے اور مجتہدانہ بصیرت سے کام لے کر کسی متفقہ فیصلے تک پہنچے۔ یہ مسئلہ چونکہ فنی نوعیت کا تھا اور معزز مہمانوں کے پاس وقت بہت کم تھا لہٰذا میاں نواز شریف صاحب نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ ان معاملات پر تفصیلی گفتگو کے لئے امیر تنظیم سے دوبارہ ملاقات کے لئے وقت نکالیں گے۔

دوران گفتگو اسراف کے حوالے سے شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں مختلف پابندیاں عائد کرنے کا معاملہ بھی زیر بحث آیا۔ ملکی معیشت کی سنگین صورت حال کے پیش نظر میاں نواز شریف صاحب اور میاں شہباز شریف صاحب دونوں اس کے حق میں تھے کہ نمود و نمائش' تبذیر اور اسراف کا سلسلہ بالکل بند ہونا چاہئے۔ اور آئندہ کم از کم دو سال تک ان تقریبات میں کھانا کھلانے پر بھی مکمل پابندی عائد ہونی چاہئے' صرف ٹھنڈا یا گرم مشروب Serve کرنے کی اجازت دی جانی چاہئے۔ امیر تنظیم نے نمود و نمائش اور تبذیر کی ممانعت کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس ضمن میں اپنی اصلاحی تحریک کا مختصر تعارف کرایا اور بتایا کہ نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کا کوئی تصور آنحضورؐ کے دور میں نہیں تھا۔ اس پر پابندی تو بہت مبارک ہے۔ تاہم ولیمے کی دعوت ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کر سکتا ہے۔ ولیمہ کرنے کی تاکید بھی احادیث میں ملتی ہے اور اس تقریب میں اپنی حیثیت کے مطابق کھانا کھلانا بھی دور نبویؐ اور دور صحابہؓ سے ثابت ہے۔ لہٰذا بہتر تو یہ ہے کہ ولیمہ کی دعوت کی اجازت دی جائے لیکن صرف ایک Dish کی پابندی کے ساتھ' تاہم ہنگامی حالات میں حکومت وقت ولیمہ کی دعوت پر بھی اگر کوئی عارضی پابندی عائد کرے تو میں اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔ بہرحال حالات کے نارمل ہوتے ہی ولیمے پر سے تو یہ پابندی ہٹا دینی چاہئے۔ البتہ نکاح کے موقع پر اسے برقرار رکھا

جائے!

دس بج چکے تھے اور معزز مہمانوں کے چہروں پر بے قراری کے آثار نمایاں نظر آنے لگے تھے۔ وقت کی تنگی اور اپنی لامتناہی ذمہ داریوں کا احساس ان پر پوری طرح مسلط تھا۔ وہ کچھ کر گزرنے کے عزم سے سرشار نظر آتے تھے۔ اسی شام وزیراعظم کی تقریر بھی ٹیلی کاسٹ ہونی تھی۔ دوران گفتگو انہوں نے کچھ نوٹس بھی لئے تھے۔ چنانچہ دس بجتے ہی معزز مہمانوں نے اپنے چائے کے کپ میز پر رکھ دیئے اور امیر تنظیم سے اجازت طلب کی۔ اور شرکاء مجلس سے مصافحے کے بعد مختصر سے سیکیورٹی عملے کے جلو میں رخصت ہوئے۔

☆ ☆ ☆

ماہ رمضان المبارک میں دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام
ایک تصحیح۔ ایک وضاحت

گزشتہ شمارے کے انہی صفحات میں امسال رمضان المبارک کی بابرکت ساعتوں میں نماز تراویح کے ساتھ منعقد ہونے والے دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں کی تفصیل درج کی گئی تھی، جس کے مطابق اس ماہ مبارک میں پاکستان کے طول و عرض میں ۴۰ سے زائد مقامات پر یہ انتہائی مفید اور بابرکت پروگرام منعقد ہوئے۔ تاہم عید الفطر کے متصلاً بعد منعقد ہونے والے تنظیم اسلامی کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں یہ بات سامنے آئی کہ ان میں سے بعض مقامات پر یہ پروگرام نامکمل اور ادھورا رہا۔ یعنی روزانہ ایک مکمل پارے کا ترجمہ کرنے یا سننے کی بجائے نصف یا تہائی پارے کے ترجمے پر اکتفا کی گئی یا پوری نماز تراویح پڑھنے کے بعد آخر میں ایک یا ڈیڑھ گھنٹے کے بیان میں اہم مضامین کو سمونے کی کوشش کی جاتی رہی۔ چنانچہ ہم نے اسے مناسب خیال کیا کہ اس معاملے کی مکمل وضاحت زیر نظر شمارے میں شائع کر دی جائے۔ ذیل میں ان مقامات کا ذکر تو بصراحت کیا جا رہا ہے جہاں دورۂ ترجمہ قرآن کی تکمیل ہوئی، تاہم وہ مقامات جہاں پر یہ پروگرام نامکمل رہا، ان کے تفصیلی ذکر کو حذف کرتے ہوئے صرف ان کی تعداد درج کر دی گئی ہے۔ تاکہ گزشتہ

شمارے میں شائع شدہ اعداد و شمار کی تصحیح بھی ہو جائے اور بے جا تکرار بھی قارئین کے لئے کوفت کا باعث نہ بنے۔ تفصیل ملاحظہ کیجئے!

حلقہ لاہور ڈویژن میں ماہ رمضان المبارک میں بارہ مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کا اہتمام ہوا۔ درج ذیل چار مقامات پر یہ پروگرام مکمل اور بھرپور انداز میں ہوا اور پایہ تکمیل کو پہنچا:

۱۔ قرآن اکیڈمی' ماڈل ٹاؤن' لاہور۔ مترجم: ڈاکٹر عارف رشید
۲۔ مسجد خدام القرآن' والٹن' لاہور کینٹ۔ مترجم: فتح محمد قریشی
۳۔ مرکزی دفتر تنظیم اسلامی' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور۔ ترجمہ قرآن بذریعہ ویڈیو کیسٹ
۴۔ رہائش گاہ زاہد وحید۔ پیپلز کالونی فیروز والا۔ بذریعہ ویڈیو کیسٹ

بقیہ آٹھ مقامات پر یہ پروگرام نامکمل انداز میں ہوا اور صرف منتخب سورتوں کا ترجمہ بیان کیا گیا۔

حلقہ کراچی میں بھی بارہ مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام ہوا۔ چھ مقامات پر مکمل ترجمہ قرآن ہوا' جبکہ بقیہ چھ مقامات پر نامکمل رہا۔ ان مقامات کی جہاں دورۂ ترجمہ قرآن کی تکمیل ہوئی' تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ دفتر تنظیم اسلامی' مادام اپارٹمنٹ۔ مترجم: اعجاز لطیف
۲۔ برمکان اعجاز لطیف صاحب (خواتین کے لئے) مترجم: مسز اعجاز لطیف
۳۔ برمکان شبیر احمد صاحب' بذریعہ ویڈیو کیسٹ
۴۔ مسجد طیبہ' زمان ٹاؤن
۵۔ برمکان جناب ابوذر ہاشمی
۶۔ قرآن اکیڈمی' ڈیفنس' مترجم: انجینئر نوید احمد

حلقہ پنجاب غربی میں چار مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچے۔

۱۔ حمید پلیس' فیصل آباد۔ مترجم: ڈاکٹر عبدالسمیع
۲۔ دفتر تنظیم اسلامی' سیٹلائٹ ٹاؤن' سرگودھا۔ مترجم: رشید عمر' ناظم حلقہ
۳۔ دفتر الہدیٰ سیریز' ٹوبہ ٹیک سنگھ (بزبان پنجابی) مترجم: رحمت اللہ بٹر صاحب
۴۔ دفتر حلقہ پنجاب غربی۔ مترجم: شاہد مجید' معتمد حلقہ

بقیہ دو مقامات پر دورۂ ترجمہ کا قرآن نامکمل انداز میں ہوا۔

حلقہ پنجاب جنوبی کے تحت ملتان میں دو مقامات پر بحمد اللہ مکمل دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام

ہوئے۔ قرآن اکیڈمی ملتان میں مختار حسین فاروقی صاحب نے اور مسجد نشتر میڈیکل کالج میں ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی صاحب نے یہ فریضہ سرانجام دیا۔ مزید برآں حلقے میں دیگر چار مقامات پر بھی ترجمہ قرآن کے پروگرام ہوئے، جو نامکمل رہے۔

حلقہ شمالی پنجاب میں آٹھ جگہ پروگرام ہوئے۔ ایک مقام کے علاوہ بقیہ تمام پروگرام بذریعہ ویڈیو کیسٹ ترتیب دیئے گئے تھے۔ مکمل کرنے والوں میں ناظم حلقہ شمس الحق اعوان صاحب کا نام آتا ہے، جنہوں نے عظمت مختار ثاقب صاحب کے مکان (F/10 اسلام آباد) پر ترجمہ قرآن کے پروگرام کی تکمیل کی۔ اس کے علاوہ دو مقامات پر بذریعہ ویڈیو کیسٹ پروگرام کو تکمیل تک پہنچایا گیا۔ بقیہ پانچ مقامات پر یہ پروگرام جزوی انداز میں ہوئے۔

حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن میں دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام دو مقامات پر ہوا۔ شاہد اسلم صاحب نے گوجرانوالہ میں اور شمس العارفین صاحب نے وزیر آباد میں ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ بحمد اللہ دونوں جگہ مکمل ترجمہ قرآن کیا گیا۔

حلقہ آزاد کشمیر میں خالد محمود عباسی صاحب نے دورۂ ترجمہ مکمل کیا۔

حلقہ سرحد میں صرف ایک مقام پر "برمکان خدا بخش پشاور" بذریعہ ویڈیو، ترجمہ قرآن کا پروگرام ترتیب دیا گیا، جو پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

بحمد اللہ، ہر سال دورۂ ترجمہ قرآن کے حلقوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور اس کی مقبولیت بتدریج بڑھ رہی ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی کم و بیش اسی نہج پر نماز تراویح کے ساتھ "بیان قرآن" کے پروگرام شروع کر دیئے ہیں۔ اگرچہ ہماری اطلاع کی حد تک مکمل دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام ابھی تک کسی اور تنظیم یا شخصیت کی جانب سے شروع نہیں کیا گیا، تاہم جزوی طور پر بیان قرآن کا سلسلہ کئی مساجد میں دیکھنے میں آیا، جو یقیناً نہایت خوش آئند بات ہے۔ حلقہ شمالی پنجاب کے ناظم شمس الحق اعوان صاحب نے راولپنڈی میں ایسے سات مقامات کی نشاندہی کی ہے جہاں نماز تراویح کے بعد پڑھے گئے پارے کے مضامین کا خلاصہ بیان کرنے کا اہتمام ہوا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ دارالعلوم فاروقیہ، قائد اعظم کالونی نزد ہمیال کیمپ، راولپنڈی ۔ قاضی عبدالرشید صاحب

۲ ۔ غوثیہ مسجد 'النور کالونی 'شکریال' راولپنڈی۔ خطیب مسجد ہذا
۳ ۔ ایمن مسجد کریم آباد شکریال۔ خطیب مسجد ہذا
۴ ۔ خطیب جامع مسجد جناح کیمپ بی اے ایف نزد شکریال' راولپنڈی۔
۵ ۔ دارالعلوم تعلیم القرآن' راجہ بازار' راولپنڈی
۶ ۔ ڈاکٹر فرحت ہاشمی الہدیٰ اکیڈمی' اسلام آباد F-8/3
یہ خواتین کے لئے پروگرام کرتی تھیں۔ اس میں سینکڑوں خواتین شریک ہوتی تھیں۔ ان کی ایک شاگرد نے ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل پنڈی میں' دن کے اوقات میں ترجمہ قرآن کا پروگرام کیا۔
۷ ۔ قاضی ظفرالحق صاحب نے واہ کینٹ میں بعد نماز تراویح مختصر تشریح کا اہتمام کیا۔

پنجاب غربی' فیصل آباد سے محمد رشید عمر صاحب نے درج ذیل پانچ مقامات گنوائے ہیں' جہاں ماہ رمضان میں اسی نوعیت کے پروگرام ترتیب دیئے گئے :

۱ ۔ مسجد 'میاں ٹرسٹ ہسپتال' بذریعہ آڈیو کیسٹ
۲ ۔ خالد مسجد سعید کالونی میں تراویح کے بعد متعلقہ حصہ کا خلاصہ پیش کیا جاتا رہا۔
۳ ۔ شیخ کالونی مدرسہ جامعہ اسلامیہ میں ہر سال دورۂ تفسیرالقرآن کا اہتمام ہوتا ہے جو یکم شعبان سے ۲۵ رمضان تک جاری رہتا ہے۔
۴ ۔ مسجد ابوہریرہ ؓ گلستان کالونی میں بعد نماز تراویح متعلقہ حصہ کا درس دیا جاتا رہا۔
۵ ۔ جامع مسجد اسحاق پیپلز کالونی میں ہر دو رکعت کے بعد متعلقہ حصہ کا مختصر مفہوم پیش کیا گیا۔

یہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ "رجوع الی القرآن" کی وہ دعوت بتدریج وسعت پذیر ہو رہی ہے جو تنظیم اسلامی کے لئے محور اور اساس کا درجہ رکھتی ہے اور جو تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کا طغرۂ امتیاز ہے۔ فللہ الحمد والمنہ۔

نبی اکرم ؐ کی مسنون دعاؤں اور فضائل قرآن پر مبنی کتابچہ
مومن کے شب و روز
دس روپے کا ڈاک ٹکٹ بھیج کر منگوائیں۔
پتہ : پروفیسر عبداللہ شاہین' گلشن کالونی' حافظ آباد پوسٹ کوڈ 52110

پاکستان میں مسلم لیگ کے حالیہ احیاء کے تقاضے اور نواز شریف صاحب کو مخلصانہ مشورے

امیر تنظیم اسلامی کے ۱۴/ اور ۲۱/ فروری کے خطاباتِ جمعہ سے ماخوذ

حمد و ثناء اور درود و سلام کے بعد :

فقد قال اللّٰہ تبارک وتعالٰی کما ورد فی سورۃ الانبیاء :

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ' بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ' فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُکُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ' وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ○ اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَکْتُمُوْنَ ○ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّہٗ فِتْنَۃٌ لَّکُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ○

صدق اللّٰہ العظیم

وعن ابی رقیۃ تمیم بن اوس الداری رضی اللّٰہ عنہ عن النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم - قال : "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" قُلْنَا لِمَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰہ؟ قال : "لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ"

(رواہ الامام مسلم رحمہ اللّٰہ)

دعیۂ ماثورہ کے بعد فرمایا :

پاکستان کی قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کو اب گیارہ دن گزر چکے ہیں۔ غالباً آئندہ تین دنوں میں مرکزی حکومت قائم ہو جائے گی اور ہفتہ عشرہ کے اندر اندر صوبائی حکومتیں بھی بن جائیں گی۔ اس ضمن میں جو چند باتیں مجھے آپ سے عرض کرنی ہیں ان میں پہلی بات کا عنوان ہے "الحمد للہ"۔ یعنی اللہ کا شکر ہم پر بہت سے اعتبارات سے واجب ہے۔ اگر ہم اللہ کا شکر ادا نہ کریں تو مجرم ہوں گے' از روئے الفاظ قرآنی : "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ"۔ حالات خواہ ذاتی ہوں' یا اجتماعی' انفرادی ہوں یا ملی' ان کا انسان کو جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ اور جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور انعام ہوا ہو' خواہ وہ کسی بھی اعتبار سے ہو ـــــ انفرادی ہو یا اجتماعی ـــــ انسان کو اس کا شعور حاصل ہونا چاہئے اور پورے شعور کے ساتھ تہہِ دل سے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

سب سے پہلی بات جس کی وجہ سے ہم پر شکر واجب ہے وہ یہ کہ ۵/ نومبر ۹۶ء کے صدارتی اقدام کے بعد سے' جس کے ذریعے مرکزی اور صوبائی حکومتیں اور مرکزی اور صوبائی اسمبلیاں برطرف کی گئی تھیں' ۳/ فروری ۹۷ء کے انتخابات تک' الحمدللہ' جو کچھ بھی ہمارے ملک میں ہوا ہے وہ آئین کے عین مطابق ہوا۔ اس ضمن میں جو بھی شکوک و شبہات ہو سکتے تھے' مثلاً یہ کہ آیا صدر کا یہ اقدام ان کے دستوری اختیارات کے اندر تھا یا اس سے تجاوز پر مبنی تھا' اس کے ضمن میں بھی آپ کو معلوم ہے کہ سپریم کورٹ' جو ہمارے ملک میں اس وقت سب سے بڑا عدالتی ادارہ ہے' اس نے مہر تصدیق ثبت کر دی کہ صدر کا اقدام ان کے دستوری اختیارات کے اندر ہی تھا۔ دوسری بڑی بات یہ کہ انتخابات نوے دن کے اندر ہو گئے اور اس پر مستزاد واقعتاً انتخابات کے ضمن میں بعض نہایت خوش آئند اور مثبت باتیں ہوئی ہیں۔ اور چونکہ یہ پاکستان میں غالباً پہلی مرتبہ ہوئی ہیں' لہٰذا ہمیں ان کا بھی شعور کے ساتھ ادراک ہونا چاہئے اور اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ مثلاً یہ کہ صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے انتخابات ایک ہی دن ہو گئے۔

ہمارا یہ بہت پرانا موقف تھا اور اس سے یقیناً فائدے ہوئے ہیں' ورنہ ماضی میں یہ ہوتا تھا کہ مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے نتیجے میں صوبائی اسمبلیوں کی صورتحال بھی تلپٹ ہو جاتی تھی۔ پھر یہ کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات الگ الگ کرانے سے وقت اور پیسے کا ضیاع بھی ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے یقیناً بچت ہوئی ہے۔

ثانیاً انتخابی مہم پر نگران حکومت کی طرف سے غالباً پاکستان میں پہلی مرتبہ جو پابندیاں عائد کی گئیں' وہ بھی یقیناً بہت مفید ثابت ہوئیں۔ ان کا یہ نتیجہ بھی نکلا کہ انتخابی مہم کے دوران پیسہ بھی بہت کم خرچ ہوا' وقت بھی بہت کم صرف ہوا' اور ان دونوں باتوں سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہمارے ہاں انتخابات میں جو خرافات ہوا کرتی تھیں وہ بھی اس مرتبہ تقریباً نہ ہونے کے برابر رہ گئیں۔ یہ خرافات ہمارے ہاں پچھلے الیکشن میں بہت زیادہ بڑھ گئی تھیں۔

ثالثاً یہ کہ انتخابات صاف و شفاف ہوئے ہیں' کم سے کم پولنگ کی حد تک۔ اگرچہ آج پھر پیپلز پارٹی کی طرف سے بعض باتیں اخبارات میں آئی ہیں لیکن ان کی حیثیت یا تو after thought کی ہے یا یہ ان کی کسی نئی strategy کے لئے تمہید کی ہے' ورنہ پچھلے دس دنوں کے دوران انہوں نے یہ بات نہیں کہی۔ اس ضمن میں اولاً تو پوری دنیا نے گواہی دی ہے کہ الیکشن غیر جانبدارانہ ہوئے ہیں' صاف ہوئے ہیں' شفاف ہوئے ہیں' پولنگ میں دھاندلی نہیں ہوئی۔ بے نظیر صاحبہ نے بھی پہلے جو الزام لگایا تھا وہ "engineered" الیکشن کا تھا اور اس الزام میں تو کسی نہ کسی درجے میں وزن ضرور تھا۔ میں بعد میں عرض کروں گا کہ pre-polling engineering اپنی جگہ پر ایک علیحدہ issue ہے اور انتخابی نتائج پر اثر انداز ہونے کا ایک علیحدہ ذریعہ ہے' لیکن پولنگ کے معاملے میں بے نظیر بھٹو صاحبہ نے بھی ابتداءً کسی دھاندلی کا الزام نہیں لگایا تھا۔ دھاندلی کا الزام صرف ایک صاحب نے لگایا تھا اور وہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب ہیں۔ ان کے اس الزام کے بارے میں بھی کچھ بعد میں عرض کروں گا' اس لئے کہ اس میں پاکستان کے لئے ایک خطرے کی بات مضمر ہے۔

پھر بات یہ کہ' الحمدللہ' جہاں تک ووٹنگ کا ٹرن آؤٹ ہے اس میں بھی بہت بڑی کمی

واقع نہیں ہوئی۔ ٹرن آؤٹ قدرے کم تو تھا' لیکن اگر دو وجوہات کو سامنے رکھ لیا جائے یعنی ایک تو شدید سردی کا موسم اور دوسرے رمضان المبارک کا مہینہ' تو میں سمجھتا ہوں کہ گزشتہ انتخابات اور ۳/ فروری ۹۷ء کے الیکشن میں ٹرن آؤٹ کا جو فرق ہے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے اور اس اعتبار سے یہ دونوں مساوی قرار پائیں گے۔ اس ضمن میں نمایاں بات یہ ہے کہ اگرچہ کئی جماعتوں نے انتخابات کا نہ صرف خود بائیکاٹ کیا بلکہ بائیکاٹ کی تبلیغ اور تلقین بھی کی۔ اگرچہ وہ کوئی مؤثر مہم تو نہیں چلا سکے تاہم اپنی حد تک جو کچھ بھی وہ کر سکتے تھے' خاموشی اور بغیر کسی جارحیت کے' وہ انہوں نے کیا' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ بڑی اچھی بات ہوئی ہے کہ ہمارے رائے دہندگان نے بائیکاٹ کرنے والوں کے موقف کو نظرانداز کر دیا ہے۔

رابعاً بے نظیر صاحبہ نے بھی' خواہ دیانتاً اور ارادتاً خواہ مصلحتاً اور مجبوراً' جو موقف اختیار کیا ہے وہ کم سے کم کل کی تاریخ تک بہت ہی معتدل تھا۔ یعنی یہ کہ ہم کوئی تحریک نہیں چلائیں گے' اور یہ کہ نواز شریف صاحب کو اپنی ٹرم پوری کرنی چاہئے۔ ان کے طرزِ عمل کے ضمن میں یہ ایک بڑی positive بات تھی۔ البتہ ان کی طرف سے ابتدا میں "engineered elections" کا جو الزام عائد کیا گیا تھا وہ میری رائے میں صحیح تھا۔ اس لئے کہ نگران حکومتوں میں جن لوگوں کو ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں ان کے انتخاب میں اصل شے پیپلز پارٹی یا صحیح تر الفاظ میں بے نظیر صاحبہ کی عداوت تھی۔ یعنی جن افراد کو پیپلز پارٹی سے کوئی دشمنی' عداوت' شکایت یا اختلاف تھا' انہی کو ذمہ داری کے عہدے دیئے گئے۔ اس ضمن میں خود ملک معراج خالد صاحب کے علاوہ پنجاب کے گورنر طارق رحیم اور سندھ کے وزیر اعلیٰ ممتاز بھٹو کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ پھر ممتاز بھٹو صاحب کا معاملہ تو خاندانی بھی ہے اور علاقائی بھی۔ پھر یہ کہ وہ کنفیڈریشن کے داعی ہیں اور اس دور میں بھی برملا کہتے رہے کہ میں تو اسی کا قائل ہوں۔ انہوں نے سرکاری تقریبات تک کے اندر پاکستان زندہ باد کی بجائے جئے سندھ کا نعرہ لگایا۔ ظاہر ہے کہ ایسے اشخاص کو نگران حکومتوں میں ذمہ داریاں سونپنا بغیر کسی مقصد کے تو نہیں تھا۔ لہٰذا بے نظیر صاحبہ [illegible]

یہ بات بہت وزنی ہوتی۔ لیکن جیسا کہ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے دعا کی تھی کہ وہ بائیکاٹ نہ کریں، اور الحمد للہ انہوں نے بائیکاٹ نہیں کیا۔ اس میں بھی یقیناً ان کی اپنی ہی مصلحت ہو گی۔ البتہ غیر مرئی طریقے پر ہماری دعاؤں کا بھی کوئی اثر ہو سکتا ہے۔ لیکن اب الیکشن میں حصہ لینے کے بعد انہیں یہ الزام عائد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

خامسًا یہ کہ الیکشن کے بعد قاضی حسین احمد صاحب کا رویّہ بھی خوش آئند ہے۔ میں پھر وہی الفاظ دہرانے پر مجبور ہوں، ان کا یہ موقف خواہ ارادتاً ہے یا مجبوراً، خواہ وقتی ہے یا ان کے طریقہ کار میں کسی مستقل تبدیلی کا مظہر ہے، بہرحال اسے مثبت اور خوش آئند ہی کہا جائے گا۔ کہاں تو ان کا وہ موقف تھا کہ ہم حکومت بننے ہی نہیں دیں گے، اقتدار منتقل ہی نہیں ہونے دیں گے، جو بڑے ہی خوفناک عزائم کی غمازی کرنے والے بیانات تھے کہ فوری طور پر شاید کوئی بہت بڑی تحریک شروع کر دی جائے یا کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیا جائے۔ لیکن پھر الیکشن کے فوراً بعد ان کا ردِّ عمل یہ تھا کہ ہم نئی حکومت کو چھ ماہ کی مہلت دے رہے ہیں۔ یہ بیان بڑا مبارک تھا۔ پھر اس کے بعد ایک اور بات آئی جو اس سے بھی مبارک تر تھی، یعنی یہ کہ اگر نواز شریف صاحب صحیح روش اختیار کریں گے تو ہم ان کے ساتھ تعاون بھی کریں گے۔ اگرچہ آج کے اخبار کے مطابق، جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے، ان کا رنگ بھی کچھ بدلا ہوا ہے۔

ان تمام باتوں کا اور الیکشن کے نتائج کا حاصل کیا ہے، اب ذرا اس کا جائزہ لے لیجیے۔ سب سے نمایاں بات تو یہ ہے کہ مسلم لیگ نواز شریف گروپ کو بہت بڑا (massive) مینڈیٹ مل گیا جس کی کسی کو توقع نہیں تھی، نہ باہر نہ اندر، نہ خود نواز شریف صاحب کو، نہ نگرانوں کو، نہ ان کے سرپرستوں کو۔ اس اعتبار سے واقعہ یہ ہے کہ مسلم لیگ کا بالفعل احیاء ہوا ہے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے پچاس برس بعد آج دوبارہ مسلم لیگ کا ایک جماعت کی حیثیت سے احیاء ہوا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ۱۹۴۶ء کے الیکشن کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ حقائق کو اپنے سامنے رکھ کر ہمیں تسلیم کرنا چاہئے، یہ حقائق کسی کو پسند ہوں یا ناپسند ہوں، یہ بات علیحدہ ہے، لیکن معروضی طور پر (objectively) صورت

اب ختم کر دینا چاہئے۔ اس لئے کہ اب مسلم لیگ واقعتاً صرف یہی ایک مسلم لیگ ہے، کسی اور کو اب مسلم لیگ کا نام اختیار کرنے کا کوئی اخلاقی جواز اور حق حاصل نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ مرکز اور پنجاب میں تو مسلم لیگ کی بہت ہی مضبوط حکومتیں بنیں گی۔ پنجاب تو آبادی کے لحاظ سے باقی تینوں صوبوں سے بھی بڑا صوبہ ہے، لیکن بقیہ تین صوبوں میں سے بھی صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی بہت مؤثر پوزیشن ہو گی۔ سندھ میں بھی اس کا عمل دخل ہے اور وہ ایک coalition حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہے۔ جیسا کہ آج کے اخبار میں ہے کہ چونکہ پیپلز پارٹی کے آج کل اعصاب جواب دے رہے ہیں اور اس پر ایک پژمردگی اور افسردگی کی کیفیت طاری ہے تو اگرچہ وہ سندھ اسمبلی میں اپنی عددی حیثیت کے اعتبار سے حکومت بنانے کی سب سے بڑھ کر حق دار ہے، تاہم زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ سندھ میں بھی حکومت نہیں بنا پائے گی۔ بلوچستان میں بھی مسلم لیگ کا کم از کم وجود ضرور ہے۔ اگرچہ وہاں زیادہ تر مقامی جماعتوں کو ہی کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن مسلم لیگ بھی بلوچستان اسمبلی میں بالکل صفر نہیں ہے۔

مسلم لیگ کی مضبوط حکومتوں کے قیام کا ایک بہت اچھا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہمارے ہاں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان جس طرح حکومت وقت کو بلیک میل کرتے ہیں اس خرابی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ جب ملے جلے نتائج کی وجہ سے ایک معلق ایوان (hung parliament) وجود میں آئے جس میں کسی ایک جماعت کی فیصلہ کن اکثریت نہ ہو تو ظاہر ہے کہ محض چند ارکان کے اِدھر اُدھر ہو جانے سے حکومت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے جو بلیک میلنگ ہوتی تھی وہ ہمارے ہاں سیاسی رشوت کا سب سے بڑا کھاتہ تھا۔ اگرچہ کرپشن کے دوسرے بہت سے راستے بھی ہیں لیکن سب سے بڑا اور سب سے بڑے پیمانے پر ہونے والی کرپشن کا عنوان یہی تھا کہ ان لوگوں نے حکومت کو بلیک میل کرنے کے ذریعے سے مفادات حاصل کئے۔ ظاہر ہے کہ حکومت کے پاس قارون کا خزانہ تو نہیں ہوتا، لہٰذا حلوائی کی دکان پر ہی نانا جی کی فاتحہ دلوائی جا سکتی ہے۔ ہر دور میں یہی کچھ ہوتا رہا ہے، خواہ وہ نواز شریف صاحب تھے جنہوں نے پلاٹوں کی تقسیم کر کے اور پاکستان کو اربوں روپے کا نقصان پہنچا کر اپنے دور میں اپنی حکومت کو قائم

رکھا تھا۔ اسی طرح کا معاملہ بعد میں بے نظیر صاحبہ کے دور میں بھی ہوا ہے۔ بہرحال اب مسلم لیگ کو جو بہت بڑا مینڈیٹ ملا ہے اس کی بدولت یہ معاملہ بالکل ختم نہ بھی ہوا تو یقیناً اس میں بہت حد تک کمی واقع ہو جائے گی۔ اور اگر حکومت ارادہ کرلے کہ یہ کام ہرگز نہیں کرنا ہے تو موجودہ حالات میں اس کے لئے کوئی ایسی مجبوری نہیں ہے جس کے بغیر اس کا کام ہی نہ چل سکے۔ دوسرے یہ کہ داخلی طور پر یقیناً تعمیر و ترقی کے راستے کھلے ہیں۔ حکومت مستحکم ہو تو وہ schemes اور منصوبے بنا سکتی ہے' ترقیاتی منصوبوں کے لئے غور و فکر کر سکتی ہے۔ ہمارے ہاں ایک ہی دور استحکام کا آیا تھا اور وہ ایوب خان کا دور تھا۔ ابتداء میں مارشل لاء تھا جس کا رعب و داب بہت تھا۔ اور اسی وجہ سے کچھ عرصہ استحکام میں گزرا اور بڑے پیمانے پر صنعتی ترقی ہوئی تھی۔ اور ظاہر بات ہے کہ یہ معاملہ مضبوط حکومتوں کے دور ہی میں ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ ایسی ہر حکومت چاہتی ہے کہ ملک میں ترقی اور خوشحالی ہو۔ اسی پر ان کے لئے اگلے الیکشن میں پھر کامیاب ہونے کا دارومدار ہوتا ہے۔ ووٹوں ہی کی بنیاد پر پھر فیصلہ ہونا ہے' تو اگر وہ عوام کو کوئی relief نہ دے سکے' ان کی بہتری کے لئے کام نہ کر سکے' تو پھر وہی نتیجہ نکلے گا جو اس سے پہلے نکلتا رہا ہے۔ لہٰذا میں یہ سمجھتا ہوں کہ داخلی طور پر بھی تعمیر و ترقی کا راستہ کھلا ہے۔

سادساً یہ کہ اب بیرونی ممالک سے بھی جم کر بات کی جا سکے گی۔ اگر اندرون خانہ عدم استحکام ہو اور کوئی مضبوط حکومت قائم نہ ہو تو بیرونی حکومتیں بھی مذاق اڑاتی ہیں اور فقرے چست کرتی ہیں۔ آج تک میرے دل پر پنڈت نہرو کا وہ جملہ نقش ہے کہ پاکستان میں میں کس سے بات کروں؟ میں ہفتے بھر میں اتنی مرتبہ لباس نہیں بدلتا جتنی وہاں حکومتیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ غور کیجئے کہ یہ کس قدر تلخ جملہ تھا اور بات بالکل صحیح تھی خواہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو۔ پچاس کی دہائی کے وسط میں فی الواقع اسی طرح کی صورتحال تھی جس کے منطقی نتیجے کے طور پر پہلا مارشل لاء آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اب جو بھی حکومت بنے گی وہ یقیناً بیرونی حکومتوں سے جم کر بات کر سکتی ہے۔

میں اس ضمن میں ایک یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ میرا جو مستقل موقف رہا ہے وہ کس طرح اس موقع پہ پورے طور پر درست ثابت ہو گیا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میرا

مستقل موقف یہ ہے کہ پاکستان میں اسلام انتخابات کے ذریعے نہیں آسکتا' لیکن انتخابات کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔ بظاہر یہ متضاد سی بات تھی' جو میرے اپنے رفقاء کی سمجھ میں بھی مشکل ہی سے آتی تھی۔ ہم نے ابتدا ہی میں یہ طے کرلیا تھا کہ ہمیں الیکشن میں حصہ نہیں لینا اور نہ کسی کا سیاسی حلیف بننا ہے اور نہ کسی کا حریف بننا ہے' ہماری حیثیت ایک داعی جماعت کی ہے' ہم تو ہر ایک کو دعوت دے رہے ہیں۔ الیکشن میں آکر کسی کے حریف ہو جائیں گے اور کسی کے حلیف بن جائیں گے۔ جو حریف ہے وہ ہماری بات سننے سے انکار کردے گا' ہماری نیت پر شک کرے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک داعی جماعت کے لئے یہ راستہ صحیح نہیں۔ لیکن ملک میں انتخابات ہوتے رہنا چاہئیں۔ یہ وہ موقف ہے جس پر میرے اپنے رفقاء بڑے طویل عرصے تک مجھ سے اختلاف کرتے رہے کہ آپ کا یہ موقف ناقابلِ فہم ہے! لیکن میں اس پر قائم رہا۔ میں آج بھی اس پر اسی طرح قائم ہوں جس طرح پہلے قائم رہا ہوں۔ میں اس سے پہلے یہ تفصیلات بھی بتا چکا ہوں کہ کس طرح میں نے جنرل ضیاء الحق صاحب سے پہلی ہی ملاقات میں یہ کہا تھا کہ انتخابی عمل کو دیر تک روکے رکھنا پاکستان کے لئے suicidal ہے۔ یہ ۱۸ / اگست ۱۹۸۰ء کی بات ہے جب میری ان سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس سے پہلے وہ میرے دروس میں بھی آیا کرتے تھے' لیکن ظاہر ہے کہ مجھے اس کا علم نہیں ہوتا تھا کہ تین چار سو اشخاص جو مسجد خضراء میں میرا درس سننے آیا کرتے تھے ان میں کون کون شامل ہیں۔ بہرحال میری ان سے جو پہلی ملاقات ہوئی تھی میں نے اسی میں یہ بات ان کے سامنے رکھ دی تھی۔ پھر میں نے ۸۲ء میں انہیں ایک کھلا خط بھی لکھ دیا تھا۔ نیز ان کی مجلس شوریٰ میں بھی کھڑے ہو کر یہی کہا تھا کہ اگر آپ یہاں الیکشن کا راستہ روکے رکھیں گے تو پھر پاکستان میں دہشت گردی کے لئے جواز خود فراہم کریں گے۔ اسی زمانے میں پی آئی اے کے ہوائی جہاز کے اغوا اور الذوالفقار کی طرف سے اسے کابل لے جانے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ چنانچہ میں نے مجلس شوریٰ کے فلور پر یہ تقریر کی تھی کہ جس طرح ہم تنظیم آزادی فلسطین یعنی PLO کی دہشت گردی کو سند جواز دیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ باقی ہی نہیں رہ گیا تھا' اسی طرح اگر آپ نے پاکستان میں سیاسی عمل کو روک دیا تو گویا دہشت گردی کو ایک نوع کا جواز مل

جائے گا۔ قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے "تصریف الآیات" لیکن میں اسے بدل کر "تصریف الکلام" کے الفاظ اختیار کر رہا ہوں کہ ایک بات کو سمجھانے کے لئے مختلف اسلوب اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ میں بہت سی تشبیہات اور استعارات کے ذریعے یہی موقف واضح کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ مثلاً کبھی میں نے عرض کیا کہ پاکستان کا باپ تو اسلام ہے لیکن اس کی ماں کی حیثیت انتخابات اور جمہوری عمل کو حاصل ہے۔ چونکہ یہ اسلام کے نعرے کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے لہٰذا اس کا باپ اسلام ہے' لیکن یہ بالفعل وجود میں آیا ہے ۱۹۴۶ء کے الیکشن کے نتیجے میں۔ اسی طرح ایک بات میں یہ کہتا رہا ہوں کہ کسی انسان کا زندہ رہنا اور شے ہے' اس کے تقاضے کچھ اور ہیں' اور اس کا مسلمان بننا کچھ اور معنی رکھتا ہے اور اس کے تقاضے بالکل مختلف ہیں' ان کو گڈمڈ نہیں کرنا چاہئے۔ زندہ رہنے کے لئے ہر انسان کو غذا' پانی اور ہوا چاہئے۔ تینوں میں سے کوئی ایک چیز بھی روک لی جائے تو اس کی جلد یا بدیر موت واقع ہو جائے گی۔ غذا کے بغیر آدمی کئی دن جھیل جائے گا' ممکن ہے ایک شخص دو تین ہفتے بھی جھیل جائے۔ پانی نہ ہو تو اس سے بہت پہلے ہی آدمی کا خاتمہ ہو جائے گا' اور اگر ہوا رک جائے تو چند منٹوں میں بات ختم ہو جائے گی۔ گویا زندہ رہنے کے لئے اصل تقاضے ہیں غذا' پانی اور ہوا۔ لیکن ایک شخص کا مسلمان بننا اور شے ہے ـــــ مسلمان بننے کے لئے پہلا تقاضا ہے ایمان۔ اللہ کی ذات پر یقین ہو' کچھ نہ کچھ تو ہو' کم از کم گمان غالب کے درجے میں تو ہو۔ پھر یہ یقین ہو کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ہے' اللہ کے حضور میں حاضری ہے' جواب دہی ہے' حساب کتاب ہے' جنت و دوزخ ہے۔ کچھ تو خیال ہو کہ ہاں قرآن حق ہے' محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سب نہیں ہے تو انسان مسلمان نہیں بن سکتا۔ اسی طرح پاکستان کے زندہ رہنے کے لئے میں تیسری مثال یہ دیتا رہا ہوں کہ انتخابی عمل دراصل تنفس کے عمل کی طرح ضروری ہے۔ سانس جاری رہے تو آدمی زندہ رہتا ہے۔ الیکشن کے ذریعے گویا بھڑاس نکلتی رہتی ہے۔ بھڑاس کا نکل جانا اسی طرح ضروری ہے جیسے ہمارے سانس کے ساتھ کاربن ڈائی آکسائیڈ کا اخراج ضروری ہے۔ سانس کی آمد و رفت سے ایک انسان کی زندگی ہے' لیکن اس کو اسلام کی طرف لانے کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ اسی طرح پاکستان کے زندہ رہنے کے

لئے سیاسی عمل اور انتخابات کا جاری رہنا ضروری ہے' لیکن ملک میں اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے انقلابی جدّوجہد کی ضرورت ہے۔

دوسری بات میں یہ کہتا رہا ہوں کہ اسلامی انقلاب کے اعتبار سے بھی اور اقامتِ دین کی جدّوجہد کے حوالے سے بھی اس ملک میں جیسی بھی لولی لنگڑی اور ٹوٹی پھوٹی جمہوریت ہے اسے بہت غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر آپ اپنے حالات کا سعودی عرب' الجزائر اور ترکی وغیرہ کے ساتھ موازنہ کریں کہ وہاں تو اسلام کے نام پر کوئی جماعت ہی نہیں بن سکتی تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ یہاں کے حالات کس قدر غنیمت ہیں' اربکان صاحب نے جماعت بنائی تو اس کا نام بھی رفاہ پارٹی یعنی Welfare Party رکھا' کیونکہ وہ اسلام کا نام نہیں لے سکتے تھے۔ اس پر وہاں آئینی طور پر پابندی ہے۔ انہوں نے صرف ایک قدم اٹھانا چاہا تھا کہ فوج کی طرف سے بھی ڈانٹ آگئی اور صدر صاحب کی جانب سے بھی تنبیہ آگئی۔ انہوں نے کوشش کی تھی کہ مسلمان خواتین کے لئے سرڈھانپنے پر جو پابندی عائد ہے اسے اٹھالیا جائے' سرڈھانپنے کو لازم نہیں کیا جارہا تھا۔ چنانچہ غور کیجئے کہ دیگر مسلم ممالک میں یہ حالات ہیں اس کے برعکس ہمیں آزادی حاصل ہے' ہم اپنی بات کہہ سکتے ہیں' ہم دوسروں کو ہم خیال بنا سکتے ہیں۔ ہم لوگوں کو جمع کرسکتے ہیں' جماعت بنا سکتے ہیں' اجتماعات کرسکتے ہیں' مظاہرے کرسکتے ہیں۔ ان آزادیوں کے باوجود ہم اقامت دین کے لئے جدوجہد نہ کریں تو ہم مجرم ہیں' لیکن ان کاموں پر کوئی پابندی تو نہیں ہے۔ جب تک امن وامان میں کوئی خلل نہ ہو' توڑ پھوڑ نہ ہو' مار پٹائی نہ ہو' گھیراؤ اور جلاؤ نہ ہو' اس وقت تک ہمیں پوری آزادی ہے۔ یہ درحقیقت بہت اہم نکتہ ہے۔ عالمی حالات کے تناظر میں ہماری موجودہ جمہوریت بھی جو بہت ناقص ہے' بہت خراب ہے' لولی لنگڑی ہے' ٹوٹی پھوٹی ہے' جو چاہیں آپ اسے کہہ لیں' لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہت غنیمت ہے۔

تیسری بات جو میں نے ہمیشہ کہی ہے وہ یہ کہ ہمارے ہاں جو شے مروج ہے وہ اسلامی جمہوریت تو نہیں ہے' اسے مغربی جمہوریت کا ایک نامکمل اور ادھورا چربہ کہہ لیجئے۔ اسے جو بھی کہیں' اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دو مستحکم اور مضبوط پارٹیاں ہوں اور یہاں

Two Party System ہو۔ اب ذرا یاد کیجئے کہ ایک زمانے میں یہاں عوامی سطح پر صرف ایک پارٹی رہ گئی تھی اور وہ پاکستان پیپلز پارٹی تھی۔ مغربی پاکستان میں ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں اسے جو مینڈیٹ ملا اسے ذہن میں تازہ کیجئے۔ کافی عرصے تک میدان میں کوسِ لِمَنِ الْمُلْکُ صرف ایک جماعت بجا رہی تھی، دوسری کوئی جماعت تھی ہی نہیں۔ سب disarray میں تھے، ٹوٹے پھوٹے تھے، گروپوں میں تھے، مسلم لیگ کے ساتھ نامعلوم کتنے لاحقے لگتے تھے۔ کبھی کوئی قاسم گروپ بھی تھا، فنکشنل لیگ بھی تھی، کوئی جونیجو لیگ بھی تھی، کوئی اور لیگ بھی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ لیگوں کی گنتی ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ صرف ایک پارٹی اپنا ڈنکا بجا رہی تھی کہ "I am the monarch of all I survey!" ---- اس صورت حال کے نتیجے میں یہاں یک جماعتی آمریت کے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ میں نے بار ہا نواز شریف صاحب کو خراج تحسین پیش کیا ہے، اور اس میں فی الواقع کوئی شک نہیں کہ انہوں نے بہت محنت اور بہت مشقت کی اور بڑی جان ماری ہے، بہت سختیاں جھیلی ہیں، جس کے نتیجے میں انہوں نے مسلم لیگ کے اس گروپ کو جو ان کے اپنے نام کے ساتھ مشہور ہوا، واقعتاً ایک زندہ اور فعال جماعت بنا دیا ہے۔ اس کے cadres متعین ہوئے، اس کی قیادت معین ہوئی، اس سے defection بہت کم ہوا۔ لوٹوں والا معاملہ اس دور میں بڑی حد تک ختم ہو گیا۔ چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نواز شریف نے مسلم لیگ کو ایک زندہ جماعت بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ لیکن ۳/ فروری کے انتخابات کے نتائج کی وجہ سے ایک بالکل برعکس صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ یعنی اب اندیشہ یہ ہے کہ یہاں دوبارہ یک جماعتی ڈکٹیٹر شپ نہ قائم ہو جائے۔ بنابریں میری رائے یہ ہے ـــــ کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو ـــــ نیز جمہوری اصول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پیپلز پارٹی کو از سرِ نو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا جائے تاکہ وہ ایک مضبوط حزبِ اختلاف کا کردار ادا کر سکے۔ ورنہ یہی ہو گا جو اس مشہور مقولے میں کہا گیا ہے کہ :

"Authority tends to corrupt and absolute authority corrupts absolutely"

مرکز اور پنجاب میں مسلم لیگ کو اتنا بڑا مینڈیٹ ملا ہے کہ دماغ کے خراب ہو جانے کا پورا

امکان موجود ہے۔ چنانچہ Checks and balances کا نظام بہت ضروری ہے۔ میں نے آج پھر دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے نزدیک حزب اختلاف کا رول ادا کرنے کی صلاحیت کی حامل بھی اور حق دار بھی صرف ایک ہی جماعت ہے' اور وہ ہے پیپلز پارٹی۔ لیکن اس حقیقت کو تسلیم کیا جانا چاہئے کہ اب اس جماعت کی قیادت کے ضمن میں بھٹو خاندان کا دور ختم ہو گیا ہے' بالکل اسی طرح جس طرح ہندوستان میں نہرو خاندان کا دور ختم ہوا۔ میرے نزدیک یہ حقیقت بے نظیر بھٹو صاحبہ کو بہت جلد سمجھ لینی چاہئے۔ فوری طور پر انہیں پیپلز پارٹی کی پارلیمنٹری گروپ کی قیادت پر برقرار رہتے ہوئے جلد از جلد پارٹی کی سربراہی کی جگہ خالی کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔ اس کی بجائے کیا ہو؟ میرا مشورہ یہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے پرانے ساتھیوں میں سے جو بھی آزاد امیدواروں کی حیثیت سے اسمبلیوں میں آ گئے ہیں' وہ پیپلز پارٹی کو join کریں۔ اسی طرح جو جو باہر ہیں وہ بھی پیپلز پارٹی کو join کریں اور پارٹی کی قیادت کو اندر سے تبدیل کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ جماعت اپنی جگہ پر ایک نئی قیادت کے ساتھ ابھر سکے۔ یہ نئی قیادت معراج خالد صاحب کی بھی ہو سکتی ہے اور ڈاکٹر مبشر حسن صاحب یا چوہدری غلام حسین صاحب کی بھی ہو سکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے مزاج میں جو کجی تھی وہی بے نظیر کے مزاج میں بھی تھی' یعنی آمریت کی طرف رجحان' دوسروں کو بے عزت کر دینے میں کوئی باک محسوس نہ کرنا' قریب ترین ساتھیوں سے نہایت حقارت آمیز سلوک کرنا۔ اور کردار کی اس کجی کا نتیجہ ہم سب نے دیکھ لیا ہے۔ بہرحال اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ پیپلز پارٹی میں قیادت کے لائق لوگ تھے ہی نہیں۔ ایسے افراد آئے تھے اور اسلامی سوشلزم کا نعرہ بھی لائے تھے' خواہ وہ اسلامی مساوات تھی یا سوشلزم' لیکن معاشی عدل و انصاف کا نعرہ تو تھا اور اس کی یقیناً ضرورت ہے۔ اس حوالے سے ایک جماعت کی حیثیت سے پیپلز پارٹی کا برقرار رہنا ضروری ہے' اور انہیں دوبارہ میدان میں آنا چاہئے' جیسا کہ معراج خالد صاحب کا بیان مجھے بہت پسند آیا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ میں قاضی حسین احمد صاحب سے سوگنا زیادہ انقلابی ہوں۔ اللہ کرے کہ واقعی ہوں۔ میں نے بارہا کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

ذوالفقار علی بھٹو کو یہ موقع دیا تھا کہ وہ پاکستان کا ماؤزے تنگ بن سکتا تھا لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ خود اپنی جاگیردارانہ چمڑی سے باہر آتا' جو وہ نہ کر سکا۔ ذرا سوچئے کہ وہ دنیا سے کیا لے گیا؟ کتنی زمین لے گیا؟ کتنی جاگیریں لے گیا؟ کوئی بھی شخص دنیا سے کیا لے جاتا ہے؟ لیکن بہرحال وہ پاکستان کا ماؤزے تنگ بن سکتا تھا' اللہ نے اسے یہ موقع دیا تھا' بالکل اسی طرح جیسے اللہ تعالیٰ نے جنرل ضیاء الحق کو موقع دیا تھا کہ وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا کردار ادا کر سکتا تھا' لیکن نہ کر سکا۔ وہ بھی محرومی کی حالت میں دنیا سے گیا۔ اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو کا معاملہ تھا۔ اس طرح پاکستان میں دو آدمیوں کو انقلابی کردار ادا کرنے کا موقع ملا۔ ضیاء الحق کو تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ کے جوش و خروش کی وجہ سے یہ موقع ملا تھا' یہ موقع ان کا اپنا پیدا کردہ نہیں تھا' اس لئے کہ وہ تو ایک فوجی کی حیثیت سے حکومت پر قابض ہوئے تھے' لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ کے درجے کو پہنچنے کا موقع یقیناً موجود تھا۔ دوسری طرف بھٹو نے یہ موقع خود create کیا تھا۔ اس نے تحریک چلائی تھی' عوام کو mobilize کیا تھا' ایک ایک دن میں چھ چھ جلسے کئے تھے۔ ایک ایک جلسے میں کئی کئی لاکھ لوگوں کو جمع کیا تھا۔ یہ کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔ اس حوالے سے وہ ماوزے تنگ بن سکتا تھا بشرطیکہ وہ خود اپنی جاگیرداری والی کھلڑی سے باہر آ سکتا۔ چونکہ ملک معراج خالد' ڈاکٹر مبشر حسن صاحب اور ڈاکٹر غلام حسین صاحب میں سے کوئی بھی فیوڈل لارڈ نہیں ہے لہٰذا ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ آگے آ کر اور جمع ہو کر اس پارٹی کو مضبوط اپوزیشن پارٹی کا کردار ادا کرنے کے قابل بنائیں' اور پارٹی کے اصل نعرے یعنی "روٹی' کپڑا اور مکان" کو لے کر چلیں۔ میرے ۱۹۶۹ء سے لے کر ۱۹۷۱ء تک کے اداریئے جو اب "پاکستانی سیاست کا پہلا عوامی اور رہنمائی دور" کے نام سے کتابی شکل میں بھی شائع ہو گئے ہیں' ان میں یہ بات موجود ہے کہ میں نے اس نعرے کو خالص اسلامی قرار دیا تھا۔ اس لئے کہ کفالتِ عامہ نظامِ خلافت کا لازمی حصہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر دجلہ و فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر گیا تو عمرؓ ذمہ دار ہو گا۔ لہٰذا یہ اصول تو خلافت راشدہ کا ہے کہ شہریوں کی تمام بنیادی ضروریات (Basic Necessities) پوری ہونا چاہئیں۔ یہ ذمہ داری ریاست کی ہے۔ ایک اور واقعہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ

حضرت عمرؓ کا گزر ایک مقام سے ہوا جہاں ایک بوڑھی عورت اپنی کٹیا میں بیٹھی ہوئی کوس رہی تھی کہ میری ضرورتیں پوری نہیں ہو رہی ہیں تو عمرؓ کو کیا حق ہے حکومت کرنے کا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اماں جان! آخر عمر کو کیا پتا' وہ تو اتنی دور بیٹھا ہے۔ اس پر بڑھیا نے کہا کہ اگر اسے میری تکالیف کا علم نہیں تو اسے حکومت کرنے کا کیا حق ہے؟ غور کیجئے کہ ایک بڑھیا یہ بات کہہ رہی ہے! عربوں کے اندر بنیادی ذہانت تو بہت تھی۔ اگرچہ وہ فلسفیانہ' منطقیانہ رنگ میں نہیں تھی لیکن فطرت کی بھی ایک ذہانت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک بڑھیا ہی نے حضرت عمرؓ کو ڈانٹ دیا تھا کہ تمہیں کس نے حق دیا ہے کہ ہمارے مہر پر کوئی حد لگاؤ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی حد نہیں لگائی۔ ہماری مرضی ہے' ہم اتنے مہر کے اوپر نکاح کریں گی۔ کسی کو غرض ہو تو ہم سے نکاح کرے ورنہ کوئی اور گھر دیکھے۔ تمہیں مہر کی مقدار پر حد لگانے کا کہاں سے حق مل گیا؟۔ اللہ نے اس پر کوئی پابندی لگائی' نہ حضور ﷺ نے لگائی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا کہ "آج ایک بڑھیا نے عمرؓ کو دین سکھایا!"

بہرحال میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ کفالتِ عامہ کا نعرہ غلط نہیں تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ پارٹی غلط ثابت ہوئی' اس کا لیڈر غلط ثابت ہوا۔ بہرحال اگر پیپلز پارٹی حزبِ اختلاف کا کردار ادا نہ کر سکی تو پھر دوسروں کو کرنا ہو گا' جیسا کہ عمران خان کا بیان آیا ہے کہ خواہ ہم اسمبلیوں میں نہیں ہیں' تاہم باہر رہ کر ایک مضبوط اپوزیشن کا کردار ادا کریں گے۔ ٹھیک ہے' وہ جو کر سکتے ہیں ضرور کریں۔ لیکن اس وقت واقعہ یہ ہے کہ عمران خان کو ووٹ نہ دے کر اس قوم نے ثابت کر دیا ہے کہ سیاسی شعور کے اعتبار سے یہ قوم بالغ ہو گئی ہے۔ عمران خان کا معاملہ یہ ہے کہ سیاست میں وہ ایک نووارد آدمی ہے۔ اس نے چالیس برس تک ایک کھلاڑی کے رنگ میں زندگی گزاری۔ اب اچانک اس میں انقلاب آیا ہے۔ ٹھیک ہے' اچھی بات ہے' ابھی پکنے دو (کے آمدی و کے پیر شدی) بہرحال وہ پاکستانی ہے اور اسے بھی حق حاصل ہے کہ وہ سیاست میں حصہ لے اور واقعتاً اگر وہ جاگیرداری کے خلاف مہم چلا سکے تو یہ ایک مثبت کام ہو گا' خصوصاً اس لئے کہ وہ خود جاگیردار نہیں ہے۔ لیکن اس وقت بہرحال ایک مضبوط حزبِ اختلاف کا کردار ادا کرنے

کی صلاحیت کی حامل اور اپنا ایک ماضی رکھنے والی اور عوامی سطح پر کچھ نہ کچھ مقبولیت رکھنے والی جماعت صرف پیپلز پارٹی ہے۔

العیاذُ باللّٰہ

اب تک میں نے انتخابی نتائج کا روشن رخ جس پر میں نے "الحمد للہ" کا عنوان قائم کیا تھا' آپ کے سامنے رکھا ہے۔ لیکن اس صورت حال کا ایک تاریک رخ بھی ہے' جس کے لئے میں نے "العیاذ باللّٰہ" کا عنوان قائم کیا ہے۔ یعنی اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ اس ضمن میں سب سے اہم بات کیا ہے' اسے سمجھنے کے لئے آپ کو بین السطور دیکھنا ہوگا ____ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کا احیاء تو ہو گیا ہے' لیکن اسلام کے نعرے کو منہا کرنے کے بعد۔ مسلم لیگ کی انتخابی مہم میں سارا زور اقتصادی خوشحالی' صنعتی ترقی' پاکستان کو ایشیاء کا ٹائیگر بنانے' موٹروے اور اسی طرح کے دوسرے وعدوں پر رہا ہے' اسلام کا سرے سے حوالہ نہیں آیا۔ یہ بہت خوفناک پہلو ہے' اور اس پر بھی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ جو چیز موجود ہے اسے بھی تسلیم کیجئے اور جو نہیں ہے اس کو بھی ماننا چاہئے۔ ہمارا کام یہی ہے کہ سمجھانے اور حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کریں۔ اِس وقت الیکشن کا جو نتیجہ ہمارے سامنے آیا ہے اس کی بنا پر مغرب پرست اور سیکولر عناصر کو یہ کہنے کا موقع مل گیا ہے کہ یہ بہت بڑا مینڈیٹ دراصل اسلام اور اسلامی نظام کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ انتخابی مہم کے دوران اسلام کا کوئی نعرہ نہیں لگایا گیا' اسلام کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی گئی' لہٰذا انہیں کہنے کا حق حاصل ہے۔ ظاہر بات ہے کہ سیکولر لابی تو یہاں موجود ہے۔ ذرائع ابلاغ پر انہی کا قبضہ ہے' صحافت میں ان کا عمل دخل ہے' خصوصاً انگریزی صحافت پر تو ان کا بلا شرکتِ غیرے قبضہ ہے۔ لہٰذا مغربی تہذیب' مغربی ثقافت' مغربی نظریات' اور سیکولر تصورات کے کھلم کھلا داعی' مبلغ اور ان پر عامل افراد کو یہ کہنے کا موقع مل گیا ہے کہ انتخابات کے ذریعے عوامی سطح پر گویا اسلام کے خلاف فیصلہ دے دیا گیا ہے۔

تاہم یہ بھی نوٹ کیجئے کہ اس دعویٰ کی مخالفت میں بھی بعض باتیں کہی جا سکتی ہیں' جن

میں سرفہرست یہ ہے کہ عوام کے پاس کوئی حقیقی choice تھا ہی نہیں۔ یہ دراصل "اَھْوَنُ البَلِیَّتَین" کا مسئلہ تھا' یعنی چھوٹی برائی اور بڑی برائی کے درمیان انتخاب کرنا تھا۔ اسلام کا نعرہ لگانے والی کوئی قابل ذکر جماعت انتخابی میدان میں تھی ہی نہیں' کوئی ایسی دینی جماعت جس سے واقعتاً کوئی توقع بھی ہو سکے' اس مرتبہ سامنے تھی ہی نہیں!۔ اصل مقابلہ کن کے درمیان تھا؟ ایک طرف خالص اور کھلم کھلا سیکولرازم تھا جس میں اسلام کا استہزاء اور اسلامی تعزیرات اور حدود کو وحشیانہ قرار دینے والی بات بھی تھی۔ دوسری طرف بھی اگرچہ اسلام کا مثبت طور پر کوئی نعرہ نہیں تھا اور اسلام کے لئے کوئی عزائم ظاہر نہیں کئے گئے لیکن کم از کم سیکولرازم کا واضح اعلان بھی نہیں تھا۔ دوسری بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ عوام مذہبی جماعتوں سے مایوس ہو چکے ہیں اور اس صورت حال میں سب سے بڑا عمل دخل خود ان کی اپنی نااتفاقی اور غلط حکمت عملی کو حاصل ہے' چنانچہ اس ضمن میں عوام موردِ الزام نہیں ہیں بلکہ اصل الزام مذہبی جماعتوں اور خاص طور نیم مذہبی' نیم سیاسی جماعتوں پر عائد ہوتا ہے۔ لیکن آج کے "نوائے وقت" میں ہندوستان کے انگریزی اخبارات کے جو بہت سے مضامین شائع ہوئے ہیں میں انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہندوستان کے تمام اخبارات اس بات پر بغلیں بجا رہے ہیں کہ پاکستان میں اسلام اور مولوی ناکام ہو گئے' فنڈامنٹلزم فیل ہو گیا اور پاکستان کے عوام نے سیکولرازم کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہ بات اپنی جگہ اہم ہوتی ہے کہ ع "سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا!" ہم چاہے اس کی کوئی تاویل کر لیں یا عذر اور بہانے تراش لیں' لیکن واضح رہنا چاہئے کہ لوگوں کے سامنے یہ حقیقت اس انداز سے آئی ہے کہ انہوں نے اس کا احساس وادراک کیا ہے' اس کا چرچا ہوا ہے اور لوگوں نے اس پر خوشیاں منائی ہیں۔ اس لئے کہ یہ درحقیقت نظریہ پاکستان کی نفی ہے۔ ۱۹۷۱ء کے سانحہ سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ہندوستان کی قیادت اور وہاں کی صحافت نے یہ کہا تھا کہ دو قومی نظریہ خلیج بنگال میں غرق کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ بعد میں یہ ثابت ہوا کہ اگرچہ فوری طور پر تو یہی صورت سامنے آئی تھی اور بنگلہ دیش کے پہلے وزیر خارجہ بننے والے ڈاکٹر

[illegible]

مسلمان ہمارے ملک میں آباد ہیں لیکن اس کے باوجود ہم ایک "مسلمان ملک" کہلانا پسند نہیں کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مشرقی پاکستان کا نام بدل کر بنگلہ دیش رکھ لیا۔ لیکن بعد میں' خواہ خود بھارت ہی کی تنگ نظری اور تنگ دلی اس کا باعث بنی ہو' وہاں وہ کیفیت برقرار نہیں رہی۔ اگر خدانخواستہ بنگلہ دیش بھارت میں مدغم ہو گیا ہوتا یا اگر بھارت نے اتنی وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کیا ہوتا کہ وہ بہار سے مشرقی پاکستان جانے والے بہاریوں کو واپس لینے پر تیار ہو جاتا تو شاید واقعتاً کم از کم بنگلہ دیش کی حد تک دو قومی نظریہ ختم ہو جاتا۔ لیکن وہ ختم نہیں ہوا۔ اس وقت بھارت میں پھر اسی طرح کی خوشی منائی جا رہی ہے کہ اس ملک میں اسلام کے سرے سے کسی بھی حوالے کے بغیر اتنا massive mandate ایک جماعت کو ملا ہے۔ پوری ملت اسلامیہ پاکستان کے لئے بالعموم اور خود جناب نواز شریف اور ان کے ساتھیوں کے لئے بالخصوص یہ بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے۔ اور صرف لمحۂ فکریہ ہی نہیں بہت بڑی آزمائش' بہت بڑا ابتلاء' اور بہت بڑا امتحان ہے۔

موجودہ صورتحال اور قرآن حکیم کی رہنمائی

اس معاملے کی خاص دینی حیثیت کو اجاگر کرنے کے لئے میں نے سورۃ الانبیاء کے آخر سے آیات تلاوت کی ہیں۔ دیکھئے ہر چیز کے دو رخ ہوتے ہیں۔ جس طرح میں نے اس الیکشن کے نتائج کے دو رخ آپ کے سامنے رکھے ہیں جو ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہیں' اسی طرح کا معاملہ ہے جو ان آیات سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ ان آیات کی طرف اس حوالے سے میرا ذہن پہلے کبھی منتقل نہیں ہوا تھا' اگرچہ اصولاً میں یہ نکتہ اپنی تقاریر میں بیان کرتا رہا ہوں کہ نبوت اگرچہ اپنی جگہ رحمت ہے لیکن ایک پہلو سے لوگوں کے لئے بہت بڑے نقصان کا ذریعہ بھی رہی ہے' یہ اس لئے کہ اگر وہ رسول کی دعوت قبول کر لیتے تو نبوت و رسالت ان کے لئے رحمت عظیمہ ثابت ہوتی' لیکن جب رد کر دیا تو "عذابِ اکبر" یعنی عذاب استیصال کا سبب ثابت ہوئی۔ جب تک رسول نہیں آیا تھا تو ان کے لئے گویا ڈھیل تھی۔ "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا" (ہم

عذاب نہیں بھیجتے رہے جب تک کہ کسی رسول کو نہ بھیجیں) لیکن جب رسول آگیا تو اب کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ لہٰذا نبوت و رسالت اپنی جگہ تو رحمت ہے کہ جو لوگ اس کی دعوت قبول کرلیں وہ بچ جائیں گے' لیکن باقی لوگوں کے لئے جو نرمی یا رعایت تھی وہ رسول کے آنے کے بعد ختم ہوگئی' اگر وہ اب بھی کفر پر قائم رہیں تو عذابِ الٰہی میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی' اب کوئی مزید مہلت نہیں ملے گی' اب کوئی مزید نرمی نہیں ہوگی۔ یہ وہ بات ہے جو یہاں کہی گئی : "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" "اے نبیؐ ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر" یہ فی نفسہٖ رسالتِ محمدیؐ کا مقام و مرتبہ ہے۔ لیکن اب دوسرا پہلو دیکھئے۔ فرمایا :

﴿ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

"اے نبیؐ کہہ دیجئے! مجھ پر یہ بات وحی کی گئی ہے کہ تمہارا الٰہ (تمہارا معبود' مطاع' حاکم مطلق) صرف ایک ہی ہے (اور وہ اللہ ہے۔) تو فرمانبرداری اختیار کرتے ہو کہ نہیں؟"

اب وہ فیصلے کی گھڑی آگئی ہے۔ رسالت آگئی ہے' چاہو تو اسے اپنے لئے رحمت بنالو اور چاہو تو اپنے آپ کو آخری عذابِ استیصال کا مستحق بنالو۔ ان دونوں آیات کا باہمی ربط ایک مرتبہ پھر دیکھئے :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

مسلمان ہوتے ہو یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اسلام انفرادی بھی ہوتا ہے اور اجتماعی بھی۔ جیسا کہ فرمایا گیا : "اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً" "اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"۔ جزوی فرمانبرداری تو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ اللہ کو صرف خالص دین مطلوب ہے۔ اطاعت کلیتاً اسی کی ہو' "مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ" اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کو اس کے لئے خالص کردو پوری طرح یکسو ہو کر۔ اگلی آیت میں فرمایا : فَاِنْ تَوَلَّوْا "پھر (اے نبیؐ) اگر یہ روگردانی کریں"۔ اس

آخری آزمائش کی گھڑی میں ناکام ہو جائیں' فَقُلْ آذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَاءٍ "تو کہہ دیجئے کہ میں نے توڈنکے کی چوٹ تمہیں بات سنادی ہے"۔ تمہارے کان کھول دیئے ہیں' اِنذار کا حق ادا کردیا ہے۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کردیا ہے۔ وَاِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ۔ اب تم نے روگردانی کی ہے تو عذابِ الٰہی آکر رہے گا۔ ہاں! یہ میں نہیں جانتا کہ آیا وہ بالکل سر پر آگیا ہے یا ابھی کچھ فاصلے پر ہے۔ مجھے اس کا علم حاصل نہیں ہے۔ "میں یہ نہیں جانتا کہ وہ (عذاب) قریب آچکا ہے جس کی تمہیں دھمکی دی جا رہی ہے یا ابھی دور ہے"۔ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ○ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت خاص طور پر ہمارے حالات پر منطبق ہوتی ہے۔ مکے میں جو کفار تھے وہ اپنے کفر کو چھپاتے تو نہیں تھے۔ مدینے میں تو منافق پیدا گئے تھے جو اپنے کفر کو چھپاتے تھے' دلوں میں کچھ اور تھا اور ظاہر کچھ اور کرتے تھے۔ لیکن مکہ میں تو یہ صورت نہیں تھی۔ البتہ آج ہمارے ہاں یہ معاملہ بھی کسی حد تک موجود ہے کہ نام مسلمانوں کے سے ہیں لیکن نہ اللہ پر یقین ہے نہ دین پر عمل ہے۔ اللہ کی فرمانبرداری نہ ذاتی سطح پر ہے اور نہ اجتماعی سطح پر۔ اس حوالے سے اس آیت پر غور کیجئے: اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ یعنی "اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم برملا کہتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو"۔ پھر نوٹ کیجئے کہ کفارِ مکہ پر تو یہ آیت راست آتی ہی نہیں' وہ چھپاتے تو نہیں تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے وہ اپنے دل میں مانتے تھے کہ محمد (ﷺ) جھوٹے نہیں ہیں۔ وہ دلوں میں تو قائل ہو گئے تھے لیکن سرِعام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس انداز میں تو کہا جاسکتا ہے کہ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ' جیسے ولید بن مغیرہ قائل ہو گیا تھا کہ قرآن نہ کسی ساحر کا کلام ہے نہ شاعر کا اور نہ کاہن کا۔ اس نے کہہ دیا تھا کہ میں بہت سے کاہنوں سے واقف ہوں' ان کا کلام میں جانتا ہوں' بہت سے شعراء سے بھی میری دوستی ہے' میں جانتا ہوں کہ شعر کسے کہتے ہیں' میں شاعری کے معیار کو پرکھ سکتا ہوں' میں ساحروں کو بھی جانتا ہوں اور سحر سے بھی واقف ہوں۔ یہ قرآن نہ شاعری ہے' نہ ساحری ہے' نہ کہانت ہے۔ گویا وہ حق بات تک پہنچ گیا تھا۔ لیکن پھر سیادت' قیادت' چودھراہٹ یہ چیزیں قبول حق میں رکاوٹ بن گئیں

"مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" ۔ دنیا کی دوستیاں تھیں' مفادات تھے جو بیڑی بن کر پاؤں میں پڑ گئے' اور وہ اسلام لانے سے محروم رہ گیا۔

بہرحال اس کے بعد کی آیت خاص طور پر ہماری موجودہ صورت حال پر منطبق ہوتی ہے : "وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ" اور میں نہیں جانتا' ہو سکتا ہے کہ یہ ابھی تمہارے لئے ایک مزید آزمائش ہو اور خاص وقت معین تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مزید مہلت دے دی ہو۔ یہ آیت نواز شریف صاحب پر صد فیصد منطبق ہو رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی انہیں اسلامی جمہوری اتحاد کے عنوان کے تحت دو تہائی اکثریت حاصل ہوئی تھی' لیکن اس دور میں انہوں نے تین عظیم ترین گناہوں کا ارتکاب کیا۔ میں نے پچھلے سال ۲۱/ اپریل کو یوم اقبال کی تقریر میں کہا تھا کہ اگر نواز شریف صاحب ان تین گناہوں پر استغفار کریں' اللہ سے اور قوم سے معافی مانگیں تو تمام مذہبی عناصر کو ان کا ساتھ دینا چاہئے اور مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہئے۔ لیکن مذہبی عناصر کی طرف سے تعاون کی شرط صرف یہی ہونی چاہئے کہ نواز شریف صاحب وعدہ کریں کہ آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ ایک اعتبار سے اچھا ہوا ہے کہ ایک مستحکم حکومت قائم ہو گی' کام آگے چل سکے گا' صنعتی ترقی ہو گی' معیشت میں بہتری ہو گی۔ یہ سب چیزیں اپنی جگہ پر ہیں' لیکن سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان اسی لئے وجود میں آیا تھا؟ کیا پاکستان کا اصل نصب العین یہی تھا؟ جان لیجئے کہ اگر اسلام کی طرف پیش رفت نہیں ہوتی تو خواہ کتنی ہی خوشحالی ہو جائے' کتنی ہی Industrialization ہو جائے' ہماری قوم ورلڈ بینک کی غلام ہی رہے گی' آئی ایم ایف کے بوٹ تلے ہی رہے گی' اور دنیا میں ہماری کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔ جس کو واقعتاً ایک آزاد حکومت اور صحیح معنوں میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئی حکومت کہتے ہیں' جو برابری کے سطح پر اقوام عالم کے ساتھ گفتگو کرنے کی پوزیشن میں ہو' وہ مقام اس طرح نہیں مل سکتا' بلکہ صرف اسلام کی بدولت حاصل ہو گا۔ آپ اسلام کے بغیر بھی جی سکتے ہیں لیکن غلامی کی حالت میں۔ آخر غلام بھی تو زندہ رہتا ہے۔ وہ مریض بھی تو بظاہر زندہ ہوتا ہے جسے آج کل مشینوں کے ذریعے مصنوعی طور پر زندہ رکھا جاتا ہے' اور اگر ان مشینوں کا پلگ نکال دیں تو وہ مر جاتا ہے۔ اگر قوم کو اس طرح کی زندگی چاہئے

تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر ایسی زندگی چاہئے جو باعزت اور باوقار ہو' جس کے لئے خواب دیکھے گئے تھے' تو وہ صرف اسلام کے ذریعے مل سکتی ہے۔

نواز شریف صاحب کا پہلا گناہ یہ تھا کہ انہوں نے نفاذِ شریعت آرڈیننس میں' جو بعد میں ایکٹ بنا' سود کو جاری رکھنے کا اعلان کیا' جو گویا اللہ اور رسولؐ کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے۔

ثانیاً یہ کہ انہوں نے دستور میں ترمیم لانے کا وعدہ کیا کہ چند دنوں کے اندر اندر کتاب و سنت کی کی مکمل بالادستی قائم کرنے کے لئے آئین میں ترمیم آجائے گی۔ لیکن یہ وعدہ شرمندۂ تعمیل نہیں ہوا۔

ثالثاً انہوں نے فیڈرل شریعت کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف جس میں بینک انٹرسٹ کو ربا قرار دیا گیا تھا' اپیل نہ کرنے کے وعدے کے باوجود اپیل دائر کردی۔ اس طرح یہ معاملہ سرد خانے کی نذر ہوگیا اور آج کچھ علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے۔

یہ نواز شریف صاحب کے تین گناہ عظیم ہیں جو انہوں نے گزشتہ دور میں کئے۔ اب انہیں اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقع دیا ہے : وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ یہ بہت بڑا امتحان اور بہت بڑی آزمائش ہے۔ ایک بہت بڑا ابتلاء اور بہت بڑا فتنہ ہے۔ فتنہ کے معنی اردو میں کچھ اور ہوتے ہیں' لیکن عربی میں اس کا اصل مفہوم "کسوٹی" ہے۔ یعنی وہ شے جو کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کردے۔ یعنی آزمائش' امتحان' ابتلاء۔ اسی معنی میں یہ لفظ "فتنہ" اس آیت مبارکہ میں آیا ہے۔ گویا ابھی تمہیں زندہ رہنے کے لئے کچھ مہلت اور دی جارہی ہے اور مزید موقع عطا کیا جارہا ہے۔ بہرحال پہلی مرتبہ نواز شریف صاحب نے جو جرم کئے تھے' ان کا نتیجہ بھی سامنے آگیا تھا کہ "بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے!" کہاں دو تہائی اکثریت رکھنے والی آئی جے آئی (IJI) اور کہاں وہ حشر جو بالآخر ہوا۔ اور اب بھی جان لیجئے کہ پہلے سے بدتر انجام بھی سامنے آسکتا ہے۔ اس ضمن میں مجھے جگر کے دو اشعار بہت پسند ہیں۔

سکوتِ لالہ و گل پر نہ جانا
اسی میں شعلۂ آواز بھی ہے

یہی انجام کا مارا ہوا دل
ہلاکِ عشرتِ آغاز بھی ہے

فی الحال تو لوگ دبک گئے ہیں' منقار زیر پر ہو گئے ہیں۔ خواہ وہ بے نظیر ہو یا قاضی صاحب ہوں' خواہ کوئی اور ہو۔ بہرحال آغاز ہوتا ہے تو جشن منائے جاتے ہیں۔ جیسی سلامی کبھی بے نظیر صاحبہ کو ملی تھی ایسی ہی سلامی ان کو بھی ملے گی۔ پہلے بھی ایک دفعہ مل چکی ہے۔ اقتدار کا بڑا جشن ہوتا ہے' بڑا سرور اور نشہ ہوتا ہے' اس کی اپنی کیفیات ہیں' لیکن انجام کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ لیکن یاد رہنا چاہئے کہ کیا حشر ہوا تھا بھٹو کا' کیا انجام ہوا تھا مجیب کا اور اب کیا حال ہو گیا ہے بے نظیر کا۔ پورے بھٹو خاندان کا کیا معاملہ ہو گیا ہے۔ مَردوں کا تو نام و نشان بھی نہ رہا' اب تو صرف بیوائیں ہیں' خواہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کی بیوہ ہو خواہ مرتضیٰ بھٹو کی۔ انسان کو یہ باتیں اچھی طرح جان لینا چاہیں اور "عشرتِ آغاز" سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نواز شریف صاحب کو اس سے اپنے امان میں رکھے' ہم صرف دعا کر سکتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک بات مزید قابل غور ہے۔ نواز شریف صاحب اور ان کے برادر خورد شہباز شریف صاحب' جو اَب پنجاب کے زیر اعلیٰ ہیں' ان دونوں سے بعض ایسی چیزیں ثابت ہیں جن میں انہوں نے مغرب کو یا نیو ورلڈ آرڈر کو appease کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ نواز شریف صاحب کا ایک بیان آیا تھا کہ "میں فنڈامنٹلسٹ نہیں ہوں"۔ سب کو معلوم ہے کہ یہ بات کس کو خوش کرنے کے لئے کہی گئی تھی۔ اسی طرح چند سال پہلے مین ہیٹن (امریکہ) میں میونسپل کارپوریشن کے ہال میں تقریر کرتے ہوئے شہباز شریف صاحب نے یہ کہا تھا کہ اگر ہمیں اقتدار میں نہ آنے دیا گیا تو پاکستان میں فنڈامینٹلزم کو تقویت حاصل ہو جائے گی۔ یعنی اگر آپ پاکستان سے فنڈامینٹلزم کا جنازہ نکالنا چاہتے ہیں تو ہمیں خدمت کا موقع دیجئے۔ اس ضمن میں تیسری بات مجھے حال ہی میں پاکستان کے ایک بڑے مشہور صحافی کے ذریعے معلوم ہوئی ہے جنہوں نے نواز شریف صاحب کی انتخابی مہم میں ان کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ وہ یہ کہ اسی نوع کا ایک مضمون لکھوا کر نیویارک ٹائمز میں چھپوایا گیا' جس میں اپنے اوپر سے فنڈامینٹلزم کی تہمت اتارنے کی

بات کی گئی۔ گویا وہاں سے لائن کلیئر کا سگنل یا N.O.C حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ تین چیزیں ریکارڈ پر ہیں۔ ان صاحب نے اگرچہ نواز شریف صاحب کا بھرپور ساتھ دیا ہے لیکن الحمدللہ کہ ان میں اتنی حمیت دینی موجود تھی کہ جب ان سے اس مضمون کا اردو ترجمہ کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

اس ضمن میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اگر تو یہ محض وقتی حکمت عملی کے طور پر تھا کہ ایک دفعہ اقتدار میں آ تو جائیں' پھر نمٹ لیں گے (اور اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو) تو اب انہیں واضح طور پر اس سے اعلانِ براءت کر دینا چاہئے۔ میں نے امریکہ میں اپنے ساتھیوں اور اپنے ہم خیال لوگوں سے کہا تھا کہ آپ اپنی کاروں کے بمپرز پر یہ سٹکر لگائیں کہ "We are Fundamentalists but not Terrorists" یعنی "ہم بنیاد پرست تو لازماً ہیں' لیکن دہشت گرد ہرگز نہیں"۔ ہمارے خلاف دہشت گردی کی تہمت غلط ہے۔ میرے نزدیک جو شخص مسلم فنڈامینٹلسٹ نہیں وہ مسلمان ہی نہیں۔ اگر آپ اسلام کی بنیادوں (Fundamentals of Islam) کو مضبوطی سے تھامے ہوئے نہیں ہیں تو پھر مسلمان ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں؟ فنڈامینٹلسٹ وہی ہوتا ہے جو کچھ بنیادی اصولوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے اور ان اصولوں پر کسی سودے بازی کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ تو ہم نے ہمیشہ کہا ہے کہ ہم تو فنڈامینٹلسٹ ہیں۔ تاہم یہ توفیق دنیا کے مسلمان حکمرانوں میں سے صرف ایک ہی شخص (ڈاکٹر مہاتیر محمد' وزیر اعظم ملائشیا) کو ملی تھی' جو اگرچہ فی الواقع حقیقی معنوں میں بنیاد پرست نہیں ہے' لیکن اس نے امریکہ کی ضد میں برملا یہ کہا تھا کہ "Yes, We are Fundamentalists!" حالانکہ وہ خاصا لبرل اور مغربی ذہن کا آدمی ہے۔ بہرحال میرے نزدیک اگر تو یہ محض وقتی حیلے تھے تو بھی ان سے اعلان براءت کرنا چاہئے۔ میرے نزدیک قائداعظم کا وہ جملہ بھی ایک وقتی حیلہ ہی تھا جو انہوں نے قیام پاکستان کے بعد کہا تھا کہ "اس ملک میں نہ کوئی مسلمان مسلمان رہے گا اور نہ کوئی ہندو ہندو رہے گا۔ یہ بات میں مذہبی اعتبار سے نہیں' بلکہ سیاسی اعتبار سے کہہ رہا ہوں' اس لئے کہ مذہب تو ہر شخص کا انفرادی معاملہ ہوتا ہے"۔ گویا سیاسی اعتبار سے یہاں تمام مذاہب کے ماننے والے یکساں حیثیت کے حامل ہوں گے۔ قائداعظم

نے سوچا ہو گا کہ اگر ہم نے پاکستان بنتے ہی ابھی سے اسلام کا اونچا ڈنکا بجا دیا تو پوری دنیا ہماری دشمن ہو جائے گی' لہٰذا اس وقت جبکہ مسلمان اکثریت کا ملک بن چکا ہے تو خواہ مخواہ دنیا کی دشمنی کیوں مول لی جائے۔ سیکولرزم کے اصول کے تحت بھی تو یہاں اکثریت کی بات ہی چلے گی۔ اگر ہندوستان ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد ہوتا تو وہاں اکثریت ہندو کی ہوتی' لہٰذا وہاں سیکولرزم کے اصول کے تحت اسلام کی کسی بات کا آنا ناممکن تھا۔ اب ایک ایسا ملک وجود میں آچکا ہے جہاں عظیم اکثریت مسلمانوں کی ہے اور اگر واقعتاً مسلمان چاہیں کہ یہاں اسلام آئے تو اسے کون روک سکتا ہے؟ چنانچہ ہم خواہ مخواہ اسلام کا ڈنکا بجا کر دنیا کو ہوشیار اور خبردار کیوں کریں؟ جیسا کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد دنیا خبردار ہو گئی تھی ؎

نعرہ زن عشق کہ خونی جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

بہرحال اب جبکہ نواز شریف صاحب اس ملک کے عوام کی فیصلہ کن حمایت سے برسراقتدار آگئے ہیں تو انہیں ڈنکے کی چوٹ اسلام کی طرف پیش قدمی کرنی چاہئے۔ میں پورے وثوق اور یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس سے ملک کے عوام میں بے انتہا جذبہ ابھرے گا۔ لیکن اگر یہ ایسا نہیں کریں گے تو جو جذبہ اس وقت سامنے آیا ہے وہ تو عارضی اور وقتی سا ہے' جس کے ٹھنڈا پڑ جانے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ چنانچہ بے نظیر صاحبہ بھی اسی امید پر سیاسی میدان میں ڈٹی ہوئی ہیں کہ موجودہ وقتی سے جوش کے ٹھنڈے پڑتے ہی انہیں عوام کی دوبارہ حمایت حاصل ہو جائے گی۔ اسلام اور اسلام کے عدلِ اجتماعی کی طرف پیش رفت میں ایک اہم چیز جاگیرداری کا خاتمہ ہے۔ اگر آپ اس ملک سے جاگیرداری کا خاتمہ نہیں کر سکتے تو ملک کے معاشی حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ نواز شریف صاحب کی مسلم لیگ ایک ایسی جماعت ہے جس میں جاگیرداروں کا عمل دخل بہت کم ہے اور یہ اصلاً ایک urban support والی جماعت کی حیثیت سے سامنے آئی ہے' جس کی اصل ریڑھ کی ہڈی صنعت کار اور کاروباری حلقہ ہے۔ اس کے برعکس پیپلز پارٹی نے زیادہ اعتماد جاگیرداروں پر کیا تھا اور ایک زمانے میں یہ

polarization ہو گئی تھی کہ جاگیردار اور بڑے زمیندار پیپلز پارٹی میں تھے' جبکہ صنعت کار' کاروباری حلقہ اور شہروں میں بسنے والے لوگ نواز شریف کے حمایتی تھے۔ تو اگر جاگیرداری پر کوئی ضرب اس وقت بھی نہ لگائی گئی تو پھر کب لگے گی؟

مشورے

نئی حکومت کے لئے میرے بعض معین مشورے بھی ہیں جنہیں میں ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں۔ اس ضمن میں بھی چند باتیں تمہیداً کہہ دینا چاہتا ہوں' اس لئے کہ میرے بعض ساتھی اور عام احباب بھی یہ کہتے ہیں کہ آپ خواہ مخواہ مشورے دیتے رہتے ہیں' ان کا کوئی فائدہ تو ہے نہیں' کوئی سنتا تو ہے نہیں۔ دیکھئے اس میں اولاً تو میرا احساس فرض ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تین کام تمہیں بہرحال کرنے ہیں۔ "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" کے مطابق یہ تو ہمارا فرض منصبی ہے جو ہمیں مسلسل کرتے رہنا ہے۔ یعنی بغیر کسی لالچ کے' بغیر کسی اجر اور اجرت کے بھلائی کی دعوت دینا۔ اچھے کاموں کا مشورہ دینا' جہاں اختیار ہو وہاں حکم دینا اور جہاں اختیار نہیں ہے وہاں مشورہ دینا۔ تیسرا کام ہے برائی سے روکنا۔ اگر طاقت نہیں ہے تو باللسان تو روکئے' زبان سے تو روکئے۔

ثانیاً یہ کہ ایک حدیث نبوی ؐ میں نے آپ کو شروع میں اسی مقصد کے لئے سنائی تھی۔ حضرت تمیم بن اوس الداری ؓ اس کے راوی ہیں۔ اس روایت کو اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ بیان کر چکا ہوں' آج اسے پھر ضرورت کے تحت دہرا رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ" دین تو نام ہے وفاداری اور اخلاص کا۔ "قُلْنَا لِمَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟" ہم نے عرض کیا کس کی وفاداری؟ کس سے نصح و اخلاص؟ فرمایا: "لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ"

اربعین نوویؒ کی اس حدیث پر کئی مرتبہ تفصیلاً گفتگو ہو چکی ہے۔ آج اشارہ یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس حدیث میں عوام یعنی عامتہ المسلمین سے پہلے ان کے قائدین یعنی ائمہ

المسلمین کو لایا گیا ہے' یعنی جن کے ہاتھ میں کسی بھی وجہ سے ملک اور قوم کی تقدیر آ گئی ہے' خواہ وہ آپ کو پسند ہوں یا ناپسند ہوں۔ ان کی چھوٹی سی غلطی پورے ملک و ملت کے لئے منفی اثرات کا سبب بنتی ہے اور ان کے ہاتھوں کوئی چھوٹا سا مثبت کام بھی ہو جائے تو اس سے پورے ملک و ملت کو فائدہ ہوتا ہے۔ اس معاملے میں پسند یا ناپسند کا کوئی سوال آڑے نہیں آنا چاہئے۔ یہ بھی اچھی طرح جان لیجئے کہ ہمارا موجود نظام باطل ہے' اس میں کوئی شک نہیں' لیکن یہ قوم قانوناً بہرحال مسلمان قوم ہے۔ اس وقت پوری امتِ مسلمہ نظامِ کفر کے تحت زندگی گزار رہی ہے۔ کسی ایک آدھ ملک میں تھوڑا بہت استثناء ہے جہاں شریعت کی جزوی تنفیذ ہو رہی ہے' ورنہ باقی تو تمام مسلم دنیا میں کھلم کھلا نظامِ کفر ہی کا غلبہ ہے۔ اس کے باوجود قانوناً تو سب مسلمان ہی ہیں۔ اس اعتبار سے ہم پر ان کا حق ہے۔ حدیث کی رُو سے ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں' وہ شخص حقیقی مؤمن ہے یا نہیں ہے' شریعت پر عملاً کاربند ہے یا نہیں ہے یہ معاملہ چھوڑ دیجئے۔ اسی طرح جو بھی ائمۃ المسلمین ہوں' ہمارے لئے لازم ہے کہ ذاتی پسند یا ناپسند سے ماوراء ہو کر انہیں صحیح مشورے دیتے رہیں۔ یہ ہمارا فرض عین ہے۔

اس ضمن میں ایک حوالہ اور دینا چاہتا ہوں۔ علامہ اقبال مرحوم نے جمعیت شُبّان المسلمین کے نام سے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جو جماعت قائم کرنے کی کوشش کی تھی اس کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ ہم الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے' لیکن مسلمانوں کی سیاسی جماعتوں کو بھی مشورے دیتے رہیں گے اور مسلمانوں کو بھی مشورے دیں گے۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو ہم نے اختیار کی ہے۔ جب سے میں نے اپنی آزاد حیثیت میں کام کا آغاز کیا تھا اس وقت سے آج تک میں اسی موقف پر قائم ہوں۔ میں ۶۸-۱۹۶۷ء کی بات کر رہا ہوں جب پاکستان پیپلز پارٹی ابھی تشکیل کے مرحلے میں تھی' اُس وقت ڈاکٹر مبشر حسن صاحب' حنیف رامے صاحب' عبداللہ ملک صاحب اور ایک صاحب جو پنجاب یونیورسٹی میں شعبۂ صحافت میں ہوتے تھے' شاید اب بھی ہیں' ان کا نام بھول رہا ہوں' ان سب نے اس خیال سے ایک حلقہ بنایا تھا کہ ایوب خان کے اقتدار اور آمریت کا دور طویل سے طویل تر ہوتا چلا جا رہا ہے' اور ملک میں شدید گھٹن کی فضا ہے' لہٰذا کچھ لوگوں کو جمع کیا

جائے اور کام کو آگے بڑھایا جائے۔ اُس وقت تک ذوالفقار علی بھٹو ابھی میدان میں نہیں آیا تھا۔ اس وقت یہ لوگ سوچ رہے تھے اور انہوں نے مجھ سے بھی رابطہ کیا تھا۔ دو مرتبہ ڈاکٹر مبشر حسن صاحب کرشن نگر میں میرے کلینک پر آئے۔ میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ میں نے اپنی ترجیحات طے کی ہوئی ہیں۔ میں نے اپنا مضمون "اسلام کی نشأۃِ ثانیہ : کرنے کا اصل کام" ان کو دیا۔ انہوں نے کہا کہ تم طالب علمی کے دور میں لیڈر رہے ہو' اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ رہے ہو' ہمارے پاس آجاؤ تا کہ طلبہ کے اندر اس کام کو promote کیا جاسکے۔ میں نے جواباً کہا : نہیں! ہر شخص کی ترجیحات ہوتی ہیں اور میں اپنی ترجیحات طے کر چکا ہوں' میں نے اپنے آپ کو مختص کر لیا ہے' میں اسلام کا کام کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے اس بات کا بھی اطمینان حاصل ہے کہ چونکہ پاکستان کی بنیاد اسلام پر ہے' لہٰذا میں بالواسطہ ملک کی بھی خدمت کر رہا ہوں۔ ہماری قومیت کی بنیاد بھی اسلام پر ہے' لہٰذا بالواسطہ میں قومی خدمت بھی کر رہا ہوں۔ لیکن میری priority اور براہ راست جو کام مجھے کرنا ہے وہ اسلام کا کام ہے۔ جیسا کہ حفیظ جالندھری نے کہا تھا ؎

کیا فردوسیٔ مرحوم نے ایران کو زندہ
خدا توفیق دے تو میں کروں اسلام کو زندہ

بہرحال جمعیت شبان المسلمین ہند کا بھی یہی موقف تھا کہ ہم سیاسی مشورے دیں گے' تبصرے کریں گے' تجزیے کریں گے' لیکن انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے۔ میں بھی اسی پر عمل پیرا ہوں۔

اس تمہید کے بعد نئی حکومت کے لئے میرے مشوروں کو نوٹ کیجئے۔ یہ بھی تین سطحوں پر ہیں۔ سب سے پہلے خالص دینی اور اساسی و بنیادی نوعیت کے مشورے ہیں' اور جو تحریک پاکستان کا منطقی نتیجہ بھی ہیں' ان میں سرفہرست ہے دستور میں ترمیم کا معاملہ جس کے لئے ان کے پاس پوری قوت موجود ہے' یعنی دو تہائی اکثریت انہیں حاصل ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت قائم کر دی ہے۔

(۱) دستور میں چار نکاتی ترمیم

اس ضمن میں اولاً یہ کہ "اُدْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" کے مصداق ہر سطح پر

قرآن و سنت کی کامل اور بلا استثناء بالادستی کے لئے آئین میں ترمیم کی جائے۔ یعنی

No legislation can be done in Pakistan at any level, whether federal, or provincial or district or union council level, which may be repugnant to the Quran and the Sunnah.

یہ پہلا کرنے کا کام ہے جس کا انہوں نے گزشتہ دور میں وعدہ بھی کیا تھا جو اس وقت تو ایفا نہ ہو سکا' لیکن اب پورا ہونا چاہئے۔ اگر ہم یہ نہیں کرتے تو گویا ہمارا اللہ کے خلاف بغاوت کا عمل جاری رہے گا۔ یہ سورۃ النساء کی آیت ۵۹ کا بنیادی تقاضا ہے' جس میں فرمایا گیا :

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝ ﴾

دوسری ترمیم یہ ہونی چاہئے کہ قرارداد مقاصد کے منافی جتنی شقیں دستور میں ہیں ان سب کو یا تو دستور سے خارج کیا جائے یا قرارداد مقاصد کے تابع کر دیا جائے۔ ورنہ ضیاء الحق صاحب دستور میں جو ابہام چھوڑ گئے تھے اس کے نتیجے میں ہمارا دستور تضادات کا مجموعہ بنا رہے گا۔ یعنی دستور پاکستان میں قرارداد مقاصد بھی شامل ہے' اور اس قرارداد مقاصد کے تقاضوں کے منافی دفعات بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ دستور کو پوری طرح کھنگال لیا جائے اور اس میں قرارداد مقاصد سے متصادم کوئی چیز موجود ہے تو اسے خارج کیا جائے یا قرارداد مقاصد کے تابع کیا جائے۔

تیسرا دستوری نکتہ یہ ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کا درجہ بلند کیا جائے' اور اس کے Judges کی شرائط ملازمت وغیرہ کو کم از کم ہائی کورٹ کے ججوں کی سطح پر لایا جائے۔ یہ صورت ہرگز نہیں ہونی چاہئے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے جج کو سرکاری ملازم کی حیثیت سے جب چاہا رکھ لیا' جب چاہا نکال دیا۔ اس طرح تو یہ ایک تیسرے درجے کا ادارہ بن کر رہ جاتا ہے' جو حکومت کا ایک محکمہ بن جاتا ہے' عدالت نہیں رہتی۔

اس سلسلے کا چوتھا نکتہ یہ ہے کہ ضیاء الحق صاحب نے جب فیڈرل شریعت کورٹ قائم کی تھی تو اس کو دو بیڑیاں اور دو ہتھکڑیاں بھی پہنا دی تھیں۔ ایک یہ کہ دستورِ پاکستان اس کے دائرہ اختیار سے ماوراء ہے۔ دوسرے یہ کہ عدالتی قوانین (Judicial Laws) اس سے ماوراء ہیں۔ تیسرے عائلی قوانین اور چوتھے مالی معاملات بھی اس سے ماوراء ہیں۔ یہ چوتھی ہتھکڑی دس سال کے لئے تھی جو اَب کھل چکی ہے۔ اسی لئے فیڈرل شریعت کورٹ نے بینک کے interest کے خلاف فیصلہ دے دیا تھا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ پر عائد بقیہ پابندیاں بھی ختم کی جائیں۔ میں یہ بات ڈنکے کی چوٹ کہتا آ رہا ہوں کہ ان چار پابندیوں کے بعد پھر باقی کیا رہ جاتا ہے؟ پرسنل لاز میں سے انتہائی بنیادی اہمیت کے حامل عائلی قوانین بھی اس شریعت کورٹ کے دائرے سے باہر رکھے گئے۔ آج کے دور کا اہم ترین پہلو معاشی ہے' وہ بھی اس کے دائرۂ اختیار میں نہیں تھا۔ سیاسی سطح پر اہم ترین دستاویز دستور ہے۔ لیکن وہ بھی اس کورٹ کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ اس کے بعد عدلیہ ہے' اس کے Procedural Laws اگر شریعت سے متصادم ہیں تو ہوا کریں' شریعت کورٹ ان کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ تو باقی رہ کیا گیا؟ میرے نزدیک فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام ایک مثبت قدم تھا' لیکن فی الواقع اس کی حیثیت exercise in futility کی رہ گئی تھی۔ یعنی وقت لگتا رہا' مقدمے قائم ہوتے رہے' بعض کے فیصلے بھی ہوتے رہے' لیکن ان کی ہمارے معاشرے میں کوئی خاص اہمیت نہیں۔ ویسے عدالتی قوانین (Judicial Laws) کے بارے میں میرا گمان غالب ہے کہ یہ سب کے سب کتاب و سنّت کے مطابق ہیں۔ یہ سارے اصول محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کرو' یعنی جب تک کہ فریق ثانی کا موقف بھی نہ سن لو۔ اسی طرح یہ اصول کہ سو مجرم چھوٹ جائیں تو کوئی حرج نہیں' لیکن ایک بھی بے گناہ کو سزا نہیں ملنی چاہئے۔ اور یہ کہ شک کا فائدہ ملزم کو پہنچنا چاہئے' نہ کہ شک کو اس کے خلاف استعمال کیا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا : "اِدرَؤُا الحَدودَ عَنِ المُسلمین" یعنی اگر کوئی صورت مسلمان کے بری ہونے کی ہے تو

خواہ مخواہ حدود و تعزیرات کے نفاذ کا شوق پورا نہ کرو! تو یہ سارے اصول جو آج کی عدالتی دنیا میں معروف' مسلّم اور تسلیم شدہ ہیں' یہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے عطا کردہ ہیں۔ لیکن یہ طے کر دینا کہ عدالتی قوانین شریعت سے بالاتر رہیں گے' یہ گویا کلمۂ کفر ہے۔

اب میں سورۃ النساء کی محولہ بالا آیت (۵۹) کی وضاحت کرتا ہوں۔ اس آیت میں لفظ "اَطِیعُوا" دو مرتبہ دہرایا گیا ہے---- "اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو' اور اپنے میں سے اولی الامر کی"---- نوٹ کیجئے کہ "اَطِیعُوا" کا لفظ تیسری مرتبہ نہیں آیا۔ چنانچہ دو اطاعتیں (اللہ اور رسولؐ کی اطاعت) مستقل' غیر مشروط اور مطلق ہیں۔ ان میں کوئی تحدید (limits) یا شرائط نہیں ہیں' لیکن "اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" کی اطاعت ان دونوں کے تابع ہے' وہ مستقل بالذات نہیں ہے' وہ خود اپنی جگہ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ "مِنْکُمْ" کا لفظ یہ وضاحت کر رہا ہے کہ اولی الامر "تم میں سے" ہونے چاہئیں۔ یعنی مسلمان ہونے چاہئیں۔ اگر تمہارے اولی الامر غیر مسلم ہیں تو تمہیں ان کے خلاف بغاوت کرنی ہوگی۔ اگر بغاوت نہ کر سکو تو اس کے لئے تیاری کرنی چاہئے۔ غیر مسلم حکمرانوں کو ذہناً اور قلباً تسلیم کر لینا اسلام کے منافی ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرض کیجئے کوئی خلیفہ وقت ہے یا کوئی صدر مملکت یا وزیر اعظم' یا کسی پنچایت یا یونین کونسل کا صدر' اولی الامر کی حیثیت سے کتاب و سنت کے منافی کوئی حکم دیتا ہے' یا یہ کہ وہ حکم بالفعل تو کتاب و سنت کے منافی نہیں ہے' لیکن کسی شہری کے نزدیک وہ منافی ہے تو وہ کیا کرے؟ یہ گویا ایک تنازعہ ہو گیا۔ اگر میں ایک حکم کو کتاب و سنت کے منافی سمجھتا ہوں تو ایک شہری ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ میں اسے کتاب و سنت کے منافی ثابت کروں۔ لیکن اس کے لئے میں کہاں جاؤں؟ فیڈرل شریعت کورٹ کا ادارہ اس مقصد کے لئے قائم ہوا تھا اور یہ صحیح ترین ادارہ تھا' جسے پوری طرح بااختیار ہونا چاہئے تھا۔ سورۃ النساء کی مذکورہ بالا آیت میں فرمایا گیا: "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ....." یعنی "پھر اگر تمہارا (اور اولوالامر کا) کسی شے میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف

لوٹا دو"۔ لیکن کہاں لوٹائیں؟ اس کا طریق کار کیا ہو؟ یہ قرآن حکیم میں مذکور نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ادارے اس وقت اس طرح موجود ہی نہیں تھے کہ عدلیہ' انتظامیہ اور مقننہ علیحدہ علیحدہ ہوں۔ البتہ اب وہ ادارے وجود میں آ چکے ہیں۔ ایک مقننہ ہے جس میں اولوالامر بیٹھے ہیں' وہ جو چاہیں گے قانون بنا دیں گے' جو چاہیں گے حکم دے دیں گے۔ صدارتی نظام میں صدر بالاتر ہوتا ہے اور پارلیمانی نظام میں پارلیمنٹ کی حیثیت بالاتر ہوتی ہے۔ دوسرے نمبر پر انتظامیہ ہے اور تیسرے نمبر پر عدلیہ علیحدہ ہے۔ اور جدید اسلامی ریاست میں یہ کام دراصل عدلیہ کا ہے کہ وہ کسی قانون کے کتاب و سنت کے مطابق یا منافی ہونے کا فیصلہ کرے۔ وہاں دلیل صرف یہ ہو گی کہ قرآن میں یہ ہے اور سنت میں یہ ہے۔ کوئی تیسری دلیل وہاں نہیں چلے گی۔ پارلیمنٹ میں تو دلیل یہ ہوتی ہے کہ چونکہ اکثریت اس کے حق میں ہے لہٰذا یہ بات منظور کی جاتی ہے۔ اکثریت کا عنصر پارلیمنٹ میں تو لامحالہ چلے گا لیکن عدالت میں نہیں۔ فیڈرل شریعت کورٹ کا مقام یہی ہے کہ وہاں اس طرح کے تنازعات زیر بحث آئیں۔ "فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" کے مصداق فیڈرل شریعت کورٹ میں بات صرف اللہ اور رسولؐ کے حوالے سے ہو سکتی ہے' کسی اور حوالے سے نہیں۔ باقی سارے حوالے مثلاً ائمہ دین کے فیصلے اور دنیا کے معروف اور مسلّم اصولوں کے حوالے تائید میں دیئے جا سکتے ہیں یا نظائر (precedents) کی حیثیت سے پیش کئے جا سکتے ہیں۔

"فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" کے حکم کے ساتھ ہی فرمایا گیا: "اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" یعنی "اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو"۔ گویا اگر اس آیت پر عمل نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے دعویدار تو ہیں لیکن فی الواقع صاحب ایمان نہیں ہیں۔ "ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا" "یہی بہترین راستہ بھی ہے اور صحیح نتیجے تک پہنچانے والا درست لائحہ عمل بھی ہے۔"

اس ضمن میں ایک اور بات میں یہ کہوں گا کہ خواہ شریعت کورٹ ہو خواہ سپریم کورٹ کا شریعت اپیلیٹ بنچ ہو' ان دونوں کے فیصلوں کے لئے نظر ثانی کی گنجائش دیگر

عدالتوں سے بڑھ کر رکھی جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون میں تقریباً ایک ہزار برس سے جمود چلا آرہا ہے اور اب اجتہاد کریں گے تو لازماً غلطیوں کا بھی احتمال ہو گا' لہٰذا اس میں نظر ثانی (Review) کے مواقع لازماً زیادہ رکھنے چاہئیں تاکہ غلطیوں کی اصلاح ہوتی رہے۔

اگر ہم ان چار چیزوں کو دستور میں شامل کر لیتے ہیں تو اسلامی ریاست یا نظام خلافت کا دستوری سطح پر کم از کم تقاضا پورا ہو جاتا ہے' اگرچہ اس پر عمل تدریجاً ہو گا' ایک دن میں تو نہیں ہو جائے گا۔ اور اس عمل میں شریعت کورٹ کا کردار اس اعتبار سے صرف منفی ہو گا' یعنی وہ یہ فیصلہ دے دے گی کہ یہ چیز واقعتاً قرآن و سنت کے منافی ہے۔ مثبت طور پر قانون سازی شریعت کورٹ نہیں کر سکتی' یہ کام پارلیمنٹ کا ہے۔ جب پارلیمنٹ کو معلوم ہو گا کہ ہم نے جو قانون بنایا تھا وہ قرآن و سنت کے منافی قرار پایا گیا ہے تو وہ اسے کتاب و سنت کے موافق بنانے کے لئے قانون سازی کرے گی۔ پھر جو پارٹی بھی حکومت میں ہو گی وہ اپنا علماء کا بورڈ پہلے سے بنا کر رکھے گی' تاکہ یہ نہ ہو کہ قانون سازی پر کی گئی ساری محنت آخر میں اکارت چلی جائے' جب یہ معلوم ہو کہ یہ قانون تو کتاب و سنت کے منافی ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ سب کام تدریجاً ہو گا' لیکن اس کی ابتداء کے لئے یہ کم از کم تقاضا ہے جو میں نے بیان کیا۔ اگر یہ پورا نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً....." (اے اہل ایمان اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ!) کے حکم پر عمل نہیں کر رہے ہیں۔ پھر تو سیکولرزم ہے کہ مسجد اور مذہبی اداروں میں اللہ اور رسول ؐ کا حکم بالاتر ہے' لیکن نہ ہماری پارلیمنٹ میں اس کی بالادستی ہے نہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اور نہ ہی مارکیٹ میں' بینکنگ میں اور زمینداری میں۔ اور یہ چیز خود پاکستان کے genesis کے خلاف ہے۔

اگرچہ میں خود بھارت کے ساتھ تجارت اور آمد و رفت کی کڑی پابندیوں کو نرم کئے جانے کا حامی رہا ہوں' لیکن یہ بات واضح رہے کہ اگر ہم نے پاکستان کے تشخص کو اس دستوری پیش رفت کے ذریعے سے مستحکم اور محفوظ کئے بغیر بھارت کے ساتھ تجارت اور

آمدورفت کے دروازے کھول دیئے تو یہ پاکستان کی نفی اور خودکشی کے مترادف ہوگا۔ اس لئے کہ پھر آپ کے پاس اپنے تشخص کا کوئی جواز ہی باقی نہیں رہے گا۔ پھر تو وہی سیکولرزم اُدھر ہوگا اور وہی سیکولرزم اِدھر ہوگا۔ تو فرق کیا رہ جائے گا؟ اور یہ بات سمجھ لیجئے کہ جب ہوا کی کوئی بہت بڑی رَو چل رہی ہو تو وہ اپنے ساتھ بہت سی چیزوں کو بہا کر لے جاتی ہے۔ ایسی تیز رَو اپنے پیچھے vacuum چھوڑ رہی ہوتی ہے' جو دوسری چیزوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور جان لیجئے کہ بھارت کا ویکیوم پاکستان کو ہڑپ کر جائے گا۔ ابھی تک تو یہاں یہ صورتحال تھی کہ علماء کا کچھ اثر موجود تھا جو اسلام کی بات کرتے تھے' کچھ الیکشن میں بھی آجاتے تھے' حکمرانوں کے گریبانوں پر گاہے بگاہے ہاتھ بھی ڈال لیتے تھے' لیکن اب صورتحال یکسر بدل گئی ہے۔ اب اگر ہم نے یہ پیش رفت نہ کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے پاکستان کے نظریئے اور اس کے بنیادی مقصد سے جانتے بوجھتے انحراف کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اگر کوئی شخص اختیار رکھنے کے باوجود شریعت پر عمل نہیں کرتا تو پھر اس کے پاس اللہ کے ہاں کوئی عذر نہیں۔ میرے پاس چونکہ اختیار نہیں ہے لہٰذا میں تو اللہ کے حضور یہ عذر پیش کر سکتا ہوں کہ اے اللہ میں نے تو اس نظام کو بدلنے کی کوشش کی تھی لیکن لوگوں نے میرا ساتھ ہی نہیں دیا تو میں کیا کرتا؟ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس دعوت دیتے رہے مگر لوگوں نے ساتھ نہیں دیا تو وہ کوئی انقلاب برپا نہیں کر سکے۔ اس میں ان کا کیا قصور؟ لیکن جس شخص کو دو تہائی اکثریت حاصل ہو چکی ہو اور اس کے ہاتھ میں اختیار ہو اور وہ یہ کام نہیں کرتا تو اس کے پاس کوئی عذر موجود نہیں ہے۔ یہی بات میں نے نومبر ۱۹۷۷ء میں جناح ہال میں منعقدہ سالانہ قرآن کانفرنس کے ایک اجلاس میں صدر ضیاء الحق صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہی تھی' جس کے لئے انہوں نے اپنا پیغام بھجوایا تھا' کہ اب آپ تدریج کے چکر میں نہ پڑ جایئے۔ جب انسان کو اختیار حاصل ہو تو وہ پوری کی پوری شریعت پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ یہ تدریج تو اُس وقت تھی جب شریعت ابھی پوری نازل نہیں ہوئی تھی۔ مکی دور میں ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی تو لوگ شراب بھی پی رہے تھے اور نمازیں بھی پڑھ رہے تھے۔ سود کی حرمت جب تک نہیں ہوئی تھی تو سودی لین دین جاری تھا۔ لیکن جب شریعت مکمل ہو گئی

تو کوئی شخص اپنے اختیار سے اس میں تدریج اختیار نہیں کر سکتا۔ اگرچہ یہ سب کچھ ایک دن میں نہیں ہو جائے گا' لیکن اصولی طور پر دستور میں یہ طے کر دیا جائے اور "Set the ball rolling" کے مصداق اس عمل کا آغاز کر دیا جائے۔ لیکن اس میں کوئی استثناء نہیں ہونا چاہئے۔ اگر آپ نے استثناء کر دیا تو آپ مجرم ہوں گے۔ گویا آپ پوری زندگی پر اسلام کی بالادستی نہیں چاہتے۔ اس حوالے سے میں نے ضیاء الحق صاحب سے کہا تھا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ معاشرہ آپ کو اٹھا کر پھینک دے گا۔ آپ اسے گوارا کر لیں لیکن اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے دین کے نفاذ میں کسی تدریج کو ذریعہ نہ بنائیں۔ اس کے لئے میں نے مثال دی تھی کہ اسی صدی کے ایک انگریز شہنشاہ ایڈورڈ ہشتم نے' جبکہ سلطنت برطانیہ پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا' ایک عورت کی محبت میں تخت و تاج کو لات مار دی تھی۔ یہی بات آج میں نواز شریف صاحب اور ان کے ساتھیوں سے کہہ رہا ہوں۔

اس میں ایک بات کا اضافہ کر لیجئے کہ اگر دستور میں یہ چار ترامیم کر لی جائیں تو اس کے بعد اگر اس ملک میں مخلوط انتخابات کا طریقہ اختیار کر لیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ اقلیتوں کے نقطہ نگاہ سے اس ملک میں جداگانہ انتخابات اس اعتبار سے بھی قابل اعتراض قرار پاتے ہیں کہ ایک ہی حلقہ انتخاب (constituency) پورے ملک میں پھیلا ہوتا ہے' جس کی کوئی تک نظر نہیں آتی۔ عورتوں کے بارے میں بھی میرا موقف یہ ہے کہ وہ بھی براہ راست الیکشن لڑیں' اسمبلیوں کے ذریعے سے ان کی مخصوص نشستوں پر نامزدگی سے بہت سی خباثتوں کے دروازے کھل سکتے ہیں۔ سینٹ میں تو آپ عورتوں کو نامزد کر سکتے ہیں لیکن میں اس کی بنیاد پر قومی اسمبلی میں عورتوں کی نشستیں مخصوص کرنے کے خلاف ہوں۔ بہرحال یہ دوسرے مسائل ثانوی ہیں۔ اگر دستوری سطح پر وہ چار کام ہو جائیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے تو میرے نزدیک اس وقت پاکستان میں مخلوط انتخابات ہم پر کوئی برے اثرات نہیں ڈال سکتے۔ اس لئے کہ پاکستان میں اقلیتوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ وہ قانون سازی پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ لیکن جہاں ایسا معاملہ ہو جیسے متحدہ پنجاب میں ہندو مسلم کی ۵۶ فیصد اور ۴۴ فیصد کی نسبت تھی یا جیسے مشرقی پاکستان

میں قریبا یہی نسبت تھی' وہاں مخلوط انتخاب کا معاملہ بہت خطرناک تھا!

میں یہ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہہ رہا ہوں کہ اگر ہم نے یہ چار قدم اٹھالئے تو پاکستانی قوم میں وہ جوش و جذبہ پیدا ہو جائے گا جس کا اس وقت پوری دنیا میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ قوم بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جائے گی۔ لیکن اگر ہم نے پچاس برس بعد بھی یہ کام نہ کیا تو سورۃ الحج کی آیت مبارکہ "وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ" کے مصداق ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے آخری مہلت' آخری موقع' اور آخری آزمائش ہو جو اللہ نے ہمیں دی ہے' اور اس میں اگر ہم ناکام ہو گئے تو پھر شاید اللہ کے عذاب اکبر کا کوڑا ہماری پیٹھ پر برس جائے۔

(۴) انسدادِ سُود

نواز شریف صاحب کو میرا دوسرا مشورہ یہ ہے کہ انسدادِ سود کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف ہماری جو جنگ جاری ہے اس کو بند کیا جائے۔ اس ضمن میں جو بات فوری طور پر لازماً کر لینے کی ہے وہ یہ ہے کہ نواز شریف صاحب نے شریعت اپیلیٹ بنچ میں فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف جو اپیل دائر کی تھی اس کو واپس لیا جائے اور فیڈرل شریعت کورٹ ہی سے اس کے لئے مہلت مانگی جائے۔ اس کی دستور میں بھی گنجائش ہے اور قانون میں بھی۔ اور یا پھر سپریم کورٹ سے کہا جائے کہ وہ اس اپیل کو سرد خانے سے نکال کر اس کا ترجیحی بنیادوں پر جلد از جلد فیصلہ کرے۔ دونوں صورتوں میں ایک متبادل نظام بنانا ہماری ضرورت ہو گی۔ اس متبادل نظام کو تلاش کرنے اور بنانے کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر حکومت کی ہے جس کے پاس وسائل بھی ہیں اور اختیارات بھی۔ انہیں چاہئے کہ پوری دنیا سے مسلمان ماہرین معاشیات اور سکالرز کو بلائیں اور ان کے سامنے اپنا یہ مسئلہ رکھیں اور ان کی مدد سے ایسا کوئی تفصیلی نقشہ تیار کریں کہ ہم سود کی لعنت سے آزاد ہو سکیں۔ "جو ئندہ یابندہ" کے مصداق اگر عزم مصمم ہو تو پھر اس راستے کی ہر رکاوٹ دور ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے : "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" "جو ہماری

راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم لازماً انہیں اپنے راستے دکھاتے ہیں"۔ سود کو حرام کرنے والی ہستی وہ ہے جو ہر شے کا علم رکھنے والی ہے۔ وہ حاکمِ مطلق بھی ہے اور حکیمِ مطلق بھی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ سود کے بغیر انسانی زندگی کے تقاضے ہی پورے نہ ہو سکتے ہوں!

اس سلسلے میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ بینکنگ کا متبادل نظام لایا جائے' لیکن یہ شاید ممکن نہ ہو۔ ہمیں اس کے لئے دوسرے نئے ادارے بنانے پڑیں گے۔ میرے نزدیک بینکنگ کا متبادل مانگنا تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ زنا کا متبادل بتا دیجئے۔ اسلام نے اس کا متبادل یہ رکھا ہے کہ نکاح کیجئے۔ لیکن ظاہر ہے کہ زنا اور شے ہے' نکاح اور شے ہے۔ اسی طرح ہمیں سود کی لعنت سے بچنے کے لئے نئے ادارے بنانے پڑیں گے۔ یہ بینکنگ کا ادارہ تو یہودیوں کا بنایا ہوا ہے جو انہوں نے پوری دنیا کو اپنے معاشی شکنجے میں کسنے کے لئے بنایا۔ اب اس کے سارے تقاضے تو کسی ایک متبادل ادارے میں پورے نہیں کئے جا سکتے۔ البتہ انسان کی اجتماعی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہم شریعت کے راستے موجود پائیں گے۔ ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں بینکنگ میں کچھ متبادل کھڑکیاں کھول دی گئی تھیں کہ آپ چاہیں تو اِدھر جائیں اور چاہیں تو اُدھر چلے جائیں۔ میری ذاتی رائے میں تو اگرچہ ان میں سے اکثر سود ہی کی ڈھکی چھپی شکلیں ہیں' لیکن کم از کم ہمارے ہاں دورِ ملوکیت میں جو فقہ پروان چڑھی ہے اس کی رو سے ان میں سے بعض طریقوں کی شریعت میں گنجائش موجود ہے۔ میرا مطالبہ یہ ہے کہ جب اس متبادل نظام کے تحت تمام کاروباری معاملات چل سکتے ہیں تو دوسری کھڑکی کیوں نہ بالکل بند کر دی جائے۔ کیا مضاربہ' مشارکہ اور لیزنگ سے یہ سارے کام نہیں چل سکتے؟

یہ معاملات تو کاروباری ہیں۔ دوسری طرف انفرادی سطح پر بھی سود کا خاتمہ کیا جائے۔ انفرادی سطح سے مراد ہے کہ لوگ ڈیفنس سرٹیفکیٹ' گلمٹ ڈیپازٹ اور مختلف اقسام کے Bonds لے کر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان پر سود کھا رہے ہیں۔ اس ضمن میں عمل کے لئے قرآن کی یہ آیات نہایت اہم ہیں: "فَمَنْ جَاءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ۔ اعلان کر دیا جائے کہ جو کچھ تم کھا پی چکے ہو اس کا حساب نہیں ہو گا' اب آئندہ کے لئے باز آ جاؤ' اب مزید سود نہیں ملے گا' ہاں تمہارا اصل زر

ہمارے پاس ہے۔" وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ' لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ"۔ تمہارے راس المال قوم کے پاس امانت رہیں گے بطور قرضہ حسنہ ' اور ان کی ادائیگی بھی سہولت ساتھ کی جائے گی۔ انفرادی سطح پر سود کی لعنت فوری طور پر ختم ہو سکتی ہے اور اس کے لئے قوم کو تیار کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک بیرونی قرضوں کا تعلق ہے تو ایک مضبوط اور مستحکم حکومت پاؤں جما کر ان سے negotiation کر سکتی ہے۔ اور مزید برآں یہ کہ سارے قرضے ایک دم چکانے کے لئے اگر قوم کے اندر جذبہ بیدار کر دیا جائے تو جس طرح بیرون ملک مقیم پاکستانیوں سے ایک ایک ہزار ڈالر مانگے گئے ہیں ' اسی طرح پاکستان کے اندر بھی بہت سے وسائل وذرائع mobilize کئے جا سکتے ہیں۔ مسلمان خواتین کے پاس زیورات کی شکل میں کتنا سونا پڑا ہوا ہے۔ ایک زیور تو وہ ہے جو عام طور پر خواتین پہنے رکھتی ہیں ' اور دوسرا زیور وہ ہے جو صرف تقریبات میں استعمال ہوتا ہے اور جس کے بیگمات کے پاس انبار لگے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ اگر قرض حسنہ کے طور پر حکومت مانگے تو قوم یقیناً دے گی ' ان شاء اللہ ' بشرطیکہ اپیل اسلام کے نام پر ہو۔ اپیل یہ ہو کہ ہم سود کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں عوام کو تیار کرنے کے لئے تمام مذہبی عناصر کو محنت کرنا چاہئے۔ اندرون ملک سے بھی قرض حسنہ لیجئے۔ سرکاری زمینوں کو نیلام کیجئے۔ جتنی بچت کاری سہولت کے ساتھ کر سکتے ہیں ضرور کیجئے ' اور اس طرح پورے قرضے ادا کیجئے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے قوم میں یہ جذبہ اگر پیدا ہو گا تو صرف اسلام کے حوالے سے ہو گا۔ اگر یہ کام ہم نے نہیں کیا تو خواہ کتنی صنعتی ترقی ہو جائے ہم نیو ورلڈ آرڈر اور اس کے سب سے بڑے مظہر یعنی آئی ایم ایف کے محکوم کی حیثیت سے زندہ رہیں گے۔ اس کے سوا ہماری کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔

سود کے ضمن میں پاکستان کے مصور ' مبشر اور مفکر حکیم الامت علامہ اقبال کے یہ دو اشعار ہر مسلمان کو حفظ ہو جانے چاہئیں ؎

از رِبا آخر چہ می زائد فتن
کس نداند لذّتِ قرضِ حسن

"ربا کے پیٹ سے آخر کیا چیز جنم لے سکتی ہے سوائے فتنوں کے؟ آج کی دنیا میں کوئی

شخص قرض حسن کی لذت سے واقف ہی نہیں رہا"۔

اگر آپ کے پاس کوئی فاضل سرمایہ ہے اور آپ کا کوئی بھائی ایسا ہے جسے اپنی معیشت کی گاڑی چلانے کے لئے کچھ قرض حسنہ چاہئے اور وہ آپ اسے فراہم کر دیتے ہیں تا کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے تو اس میں بے اندازہ روحانی لذت ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ سود کے انسداد کے لئے اقدامات کی خاطر ملکی سطح پر اس قدر جذبہ پیدا ہو جائے گا کہ یہ قوم ریاست کو بھی قرض حسن دے گی اور اپنے بھائیوں کو بھی۔

از رِبا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ
آدمی درّندہ بے دندان و چنگ

"سود کے ذریعے انسان کا باطن اور اس کی روح تاریک ہو جاتے ہیں۔ اور دل ایسا سخت ہو جاتا ہے جیسے اینٹ اور پتھر۔ اور سود خور انسان حقیقت میں بھیڑیا بن جاتا ہے اگرچہ اس کے بھیڑیوں والے دانت اور پنجے نہیں ہوتے"۔

یہ دو باتیں وہ ہیں جن کا آغاز جنرل ضیاء الحق مرحوم نے کیا تھا۔ انہوں نے قرار داد مقاصد کو دستور کا حصہ بنا دیا' جو بلاشبہ ایک مثبت قدم تھا۔ اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کا قیام بھی یقیناً ایک مثبت قدم تھا۔ انسدادِ سود کے لئے بھی ان کے دور میں کچھ اقدامات کئے گئے۔ اگرچہ ان کے لئے ان کے یہ تمام اقدام نیم دلانہ اور ادھورے تھے' چنانچہ ان کے مثبت کی بجائے منفی نتائج زیادہ پیدا ہوئے' لیکن بہرحال وہ صحیح سمت میں ایک آغاز سفر تھا۔

اس کے حوالے سے بھی میں یہ کہتا ہوں کہ اب یہ جو قیادت برسر اقتدار آئی ہے یہ ضیاء الحق صاحب کی معنوی وارث ہے' اس لئے کہ نواز شریف صاحب کی حیثیت ضیاء الحق مرحوم کے سیاسی متبنّیٰ کی ہے اور وہ ان کے سیاسی سرپرست تھے۔ پھر ان کے ساتھ ضیاء الحق صاحب کے صُلبی بیٹے بھی موجود ہیں۔ اس اعتبار سے میں سمجھتا ہوں کہ ضیاء الحق صاحب کے وارث اور جانشین ہونے کا یہ اخلاقی تقاضا ہے کہ یہ ضیاء الحق صاحب کے شروع کردہ عمل کو آگے بڑھا کر اس کی منطقی انتہا تک پہنچائیں' اس میں جو کمی ہے اس کی تکمیل کریں' نہ یہ کہ اس بساط کو بھی خدانخواستہ کہیں لپیٹ کر رکھ دیا جائے۔

(۳) جاگیرداری اور مزارعت

تیسرا مشورہ یہ ہے کہ جاگیردارانہ نظام کو ختم کرنے اور زمینداری نظام کی اصلاح کے لئے سب سے پہلے علماء اور بندوبست اراضی کے ماہرین کا ایک بورڈ بنایا جائے۔ یہ مشورہ میں نے ۱۹۸۲ء میں ضیاء الحق صاحب کی مجلس شوریٰ میں بھی دیا تھا اور یہ بات بہت زور دے کر کہی تھی' آج بھی وہی بات کہہ رہا ہوں کہ آپ ایک ہائی پاور لینڈ کمیشن بنائیں جس میں جیّد علماء بھی ہوں' روایتی لکیر کے فقیر علماء نہیں کہ جو بات کہیں لکھ دی گئی ہے وہ اسی پر فتویٰ دینا ضروری سمجھتے ہوں' اور ان کے ساتھ ماہرین بندوبست اراضی ہوں۔ اس کمیشن کے ذریعے یہ بات طے کی جائے' یا پھر فیڈرل شریعت کورٹ میں اس معاملے کو اٹھایا جائے اور تعین کیا جائے کہ آیا پاکستان کی زرعی اراضی عشری ہیں یا خراجی۔

دینی اور روحانی اعتبار سے پچھلی صدی کی سب سے بڑی شخصیت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی ہے' جو مفسرِ قرآن ہیں' بہت بڑے فقیہ ہیں' جن کی ایک کتاب "مَالَابُدَّ مِنْہُ" آج تک ہر عربی مدرسے میں پڑھائی جاتی ہے' اور مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ کے خلیفہ ہیں۔ انہوں نے "مَالَابُدَّ مِنہ" میں لکھا ہے کہ پورے ہندوستان میں کہیں کوئی عُشری زمین ہے ہی نہیں۔ اس لئے میں یہاں عشر کے مسائل بیان ہی نہیں کر رہا۔ لیکن اس صدی میں بعض علماء نے یہ فیصلہ کر دیا کہ پاکستان کی زمینیں عشری یعنی ملکیتی ہیں۔ اس پر باقاعدہ پوری کتاب مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھ دی اور اس کا ایک اور نتیجہ یہ نکلا کہ چونکہ جب کوئی شے کسی کی ملکیت ہو تو اس سے آپ جبراً نہیں لے سکتے۔ لہٰذا شریعت اپیلیٹ بنچ نے' جس میں مولانا تقی عثمانی صاحب خلف الرشید مفتی محمد شفیع صاحبؒ بھی تشریف فرما ہیں' یہ فیصلہ دے دیا کہ پاکستان میں کسی زمیندار کی ایک انچ زمین بھی اس سے جبراً نہیں لی جا سکتی۔ گویا آئندہ کے لئے زرعی اصلاحات کا راستہ قطعاً بند کر دیا گیا۔

اس ضمن میں ایک اور صاحب کی مثال بھی دینا چاہتا ہوں جو اسی شہر لاہور کے بہت بڑے مفتی ہیں۔ وہ دیوبندی مسلک کے ایک دارالعلوم کے سب سے بڑے مفتی ہیں۔ ان کے صاحبزادے نے مجھے یہ بتایا کہ ان کی ذاتی رائے یہی ہے کہ یہ زمینیں خراجی ہیں' عشری نہیں ہیں۔ یعنی ان کی رائے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے کے خلاف ہے۔ لیکن

جب ہمارے ایک ساتھی نے ان سے تحریری طور پر فتویٰ مانگا تو انہوں نے فتویٰ یہ لکھوایا کہ یہ زمینیں عشری ہیں لیکن اس فتویٰ پر انہوں نے اپنے دستخط نہیں کئے، بلکہ اپنے کسی شاگرد سے دستخط کروائے۔ اگر یہاں کی زرعی اراضی خراجی قرار پاتی ہیں تو شریعت اپیلیٹ بنچ کا محولہ بالا فیصلہ کالعدم ہو جاتا ہے، کیونکہ خراجی زمین ملکیتی نہیں ہوتی۔ اگر عشری مانا جائے تو اس پر اس فیصلہ کا یقیناً اطلاق ہو گا۔ اگر ایک شے میری ملکیت ہے تو آپ میری مرضی کے بغیر اسے مجھ سے ہرگز نہیں لے سکتے۔ میں یا اسے فروخت کروں گا یا ہبہ کروں گا، آپ زبردستی نہیں لے سکتے۔ لیکن اگر پاکستان کی زرعی اراضی کسی کی ملکیت ہیں ہی نہیں، یعنی خراجی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ قوم کی اجتماعی ملکیت تھیں۔ آج تک یہ آپ کی تحویل میں رہیں، لیکن اب حکومت عوامی فلاح و بہبود کے لئے جو بھی نیا بندوبست اراضی کرنا چاہے، کر سکتی ہے۔ اس طرح سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ کے فیصلے کے ذریعے زرعی اصلاحات کا جو دروازہ بند ہو گیا تھا وہ دوبارہ کھل جائے گا۔

اس کے بعد اس کمیشن کے ذریعے یا فیڈرل شریعت کورٹ کے ذریعے یہ طے کر لیا جائے کہ آیا مزارعت یعنی غیر حاضر زمینداری جائز ہے یا ناجائز؟ اس معاملے میں بھی ہمیں دین کے حوالے سے آگے بڑھنا چاہئے۔ پیپلز پارٹی کا نعرہ سوشلزم کے حوالے سے تھا، لیکن ہمیں اسلام کے حوالے سے کام کرنا ہے۔ اس ضمن میں ایک جانب ہمارے سامنے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا فتویٰ ہے کہ مزارعت حرام مطلق ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کھلے کھیت میں مزارعت حرام مطلق ہے، لیکن کھیتی اگر کسی باغ میں ہے تو اس میں جائز ہے۔ دوسری جانب صاحبین یعنی قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے فتویٰ کی رو سے مزارعت بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اگر غیر حاضر زمینداری ختم نہیں ہو سکتی تو انہوں نے جو شرائط عائد کی ہیں کم از کم وہ پوری کی پوری نافذ کی جائیں۔ اِس وقت بھی فیصل آباد میں ایک شیخ الحدیث موجود ہیں جن کے صاحبزادے نے کل ہی بتایا کہ اس مسئلے میں میرے استفسار پر والد صاحب نے بتایا کہ مفتیٰ بہ قول تو یہی ہے کہ مزارعت جائز ہے، لیکن میری ذاتی رائے امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق ہے، یعنی مزارعت جائز نہیں ہے۔ لیکن وہ اپنی ذاتی رائے کو پبلک میں بیان نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ

ہے کہ خود کاشت کرنے کے ضمن میں زمینداری کو انڈسٹری کا درجہ دیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خود کاشت پر آپ نے ملازم رکھے ہوئے ہیں تو جس طرح صنعتی ملازمین کے بہت سے حقوق ہیں، جیسے پنشن کا حق ہے، سوشل سیکیورٹی کا معاملہ ہے تو وہ حقوق زمینداری میں بھی ہونے چاہئیں۔ یہ تین اقدامات ہیں جن کے ذریعے اس سلسلے میں ابتدائی پیش رفت کی جاسکتی ہے۔

(۴) انتظامی معاملات

اب تک میں نے جو باتیں کہی ہیں وہ خالص دینی اعتبار سے اہم ترین ہیں۔ دوسرے درجے میں کچھ انتظامی معاملات ہیں، لیکن ان کا تعلق بھی بالواسطہ دین کے ساتھ جڑتا ہے۔

(۱) ان میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مردم شماری فوراً ہونی چاہئے۔ یہ معاملہ بہت عرصے سے رکا ہوا ہے۔ مزید برآں یہ کہ مردم شماری میں بھی اور پھر شناختی کارڈ میں بھی مذہب کا خانہ ہونا چاہئے اور مسلمان کے نام کے ساتھ اس کا مسلک بھی درج ہونا چاہئے، تاکہ معلوم تو ہو کہ اس ملک میں مختلف فقہوں کے ماننے والے کتنے ہیں۔ اس لئے کہ اسلام کا نفاذ اس ملک کا مقدر ہے، یہ تقدیر مبرم ہے کہ اسلام یہاں آئے گا، اور جب آئے گا تو ظاہر ہے کہ پرسنل لا میں تمام مسالک کے پیروکاروں کو مکمل آزادی دینا ہوگی۔ لہٰذا معلوم ہونا چاہئے کہ کتنے حنفی ہیں، کتنے اہل حدیث ہیں، کتنے فقہ جعفریہ کے ماننے والے ہیں، تاکہ ہر مسلک کے علماء کے الگ بورڈ بنائے جاسکیں۔ میں نے ۱۹۸۰ء میں علماء کنونشن میں تقریر کی تھی کہ اس کی عملی شکل کیا ہوگی۔ میری رائے میں ریاستی سطح پر پبلک لاء صرف قرآن و سنت [۱] کا ہونا چاہئے، کسی مخصوص فقہ کا نہ ہو۔ لیکن پرسنل لا میں ہر فقہ کو مکمل آزادی دی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ہر فقہ سے تعلق رکھنے والے علماء کے بورڈز ہوں، جن کو refer کیا جاسکے۔ اور وہ فیصلہ کریں کہ ہماری فقہ کی رو سے اس مسئلہ کا کیا حل ہے۔ یہ عملی شکل اختیار کرنا پڑے گی۔ آئیڈیل شکل تو یہی ہے کہ مسالک اور فرقے باقی نہ رہیں، لیکن یہ ہونے والی بات نہیں ہے۔

---

[۱] اگرچہ سنتِ رسولؐ کا ماخذ اہل سنت کا معتمد علیہ ذخیرۂ احادیث ہی ہوگا!

(ii) دوسرے یہ کہ اس ملک میں حقیقی معنوں میں صدارتی اور فیڈرل نظام قائم کیا جائے۔ لیکن اس کے لئے دستور میں واضح طور پر ترمیم ہو' اور پھر پورے ملک میں براہ راست صدارتی انتخاب کے ذریعے صدر منتخب کیا جائے۔ یہ کام ہرگز Back Door سے نہیں ہونا چاہئے۔ حکم قرآنی ہے : "وَاْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا" یعنی گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو' پچھواڑے سے نہیں۔

(iii) تیسرے یہ کہ چھوٹے صوبے بنائے جائیں جو متوازن ہوں اور ان میں جغرافیائی و انتظامی عوامل کے ساتھ ساتھ لسانی و ثقافتی عوامل کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

(iv) چوتھی بات یہ ہے کہ کونسل برائے دفاع و قومی سلامتی (CDNS) کا خاتمہ ہونا چاہئے اور فوراً ہونا چاہئے۔ ملک کے انتظامی اور اندرونی معاملات میں فوج کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہئے۔ اب پارلیمنٹ یقیناً اس پوزیشن میں ہے کہ وہ assert کر سکتی ہے کہ یہ جو CDNS کے ذریعے پچیس فیصد مارشل لاء لگ گیا ہے' ۵۸(۲)ب کے ذریعے ۲۵ فیصد صدارتی نظام ہے' اور باقی پچاس فیصد پارلیمانی نظام ہے' تو یہ ایک چوں چوں کا مربّہ بن گیا ہے اسے ختم ہونا چاہئے۔

(v) پانچویں نمبر پر نظام تعلیم کا مسئلہ ہے۔ ہمارا ہدف تو یہ ہونا چاہئے کہ دینی اور دنیوی تعلیم کا فرق بالکل ختم ہو جائے اور دونوں یکجا کئے جائیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک دن میں کرنے کا کام نہیں ہے۔ البتہ ہدف معیّن ہو سکتا ہے۔ فوری طور پر یہ کام کیا جا سکتا ہے کہ پرائمری تعلیم کے دوران جیسا کہ نواز شریف صاحب نے کہا بھی ہے' ناظرہ قرآن پڑھانے کا کام مکمل ہو جائے اور ہائی سکول کی تعلیم کے دوران عربی زبان کی تعلیم لازمی کی جائے۔ اس لئے کہ ناظرہ قرآن پڑھنے سے تو بات نہیں بنتی جب تک اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی حاصل نہ ہو۔ عربی کا فہم ہو جائے تو بچہ خود بعد میں قرآن سمجھ لے گا۔ ورنہ آپ ترجمہ پڑھائیں گے تو وہ طوطے کی طرح پڑھانے کا معاملہ ہو گا' اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہائی سکول کے دوران اتنی عربی سکھائی جا سکتی ہے کہ اگرچہ طالب علم کہیں کہیں کسی لغت کو consult کرے گا لیکن اکثر و بیشتر خود سمجھ لے گا۔

(vi) نمبر چھ یہ کہ نائب تحصیلدار کی سطح تک عدلیہ اور انتظامیہ کی کامل علیحدگی

کی جائے۔

(vii) ساتویں بات یہ کہ حکمرانوں کے پاس جو صوابدیدی فنڈز ہیں' اور جو ملکی خزانے کو لوٹنے اور سیاسی رشوتوں کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئے ہیں' نیز قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کے لئے ترقیاتی فنڈز ہیں ان سب کا خاتمہ کیا جائے۔

(viii) نمبر آٹھ یہ کہ علاقہ غیر یا آزاد قبائل کی علیحدہ حیثیت ختم کی جائے۔ صدر لغاری صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک قدم اٹھایا اور بالغ رائے دہی کا اصول اس علاقے میں بھی نافذ کر دیا گیا۔ اس طرح گویا Integration کی طرف ایک قدم تو اٹھالیا گیا۔ اب اس سلسلے میں اگلا قدم اٹھانا چاہئے اور اس معاملے کو منطقی انتہا تک پہنچانا چاہئے۔ اس لئے کہ وہ کوئی علیحدہ ملک نہیں ہے۔ اگر وہ آزاد قبائل ہیں تو کیا باقی پاکستان محکوم ہے؟۔

(ix) نمبر نو یہ کہ بنکوں کے معاف شدہ قرضوں کی از سر نو بازیافت کی کوشش کی جائے۔ یہ سب اس ملک کی عوام کی دولت ہے' جس کے معاف کرنے کا حق اگر ہے تو وہ عوام کو ہے' کسی اور کو نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جبر بھی کیا جاسکتا ہے اور ان کی جائیدادیں قرقی یا نیلام بھی کی جاسکتی ہیں۔ حمید گل صاحب کے حوالے سے ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ ان کے قول کے مطابق ایک سو تیس ارب روپیہ ان نادہندگان کے ذمہ ہے جبکہ ہمارا کل بیرونی قرضہ ۱۲۵ ارب ہے۔ اگر یہ تمام قرضے وصول ہو جائیں تو پانچ ارب پھر بھی بچ جائیں گے۔

(x) نمبر دس یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ اپنا قبلہ درست کریں۔ پاکستان ٹیلی ویژن پر ضیاء الحق صاحب کے دور میں جو پابندیاں عائد کی گئی تھیں' نواز شریف صاحب اپنے سیاسی سرپرست کی پیروی میں کم از کم ان پابندیوں کو تو فوراً نافذ کریں۔ اس کے علاوہ ڈش انٹینا پر پابندی ہو' اور اس کے ذریعے جو اچھے بیرونی پروگرام آتے ہیں وہ خود پی ٹی وی نشر کرے۔ خاص طور پر بھارت کی نشریات کو تو کسی طرح Jam کیا جاسکتا ہو تو لازماً کیا جائے' اس لئے کہ یہ ہم پر ثقافتی یلغار ہے۔ اس سلسلے میں مانیکا گاندھی سے جو الفاظ منسوب کئے گئے ہیں وہ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں کہ "ہم ثقافتی سطح پر تو پاکستان کو فتح کر ہی چکے ہیں!"۔ واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ بسنت کے موقع پر ہوتا ہے' یہ سب ثقافتی سطح

پر پاکستان کو فتح کئے جانے کی علامت ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ اس سے بجلی کا نظام خراب ہوتا ہے' لاکھوں کروڑوں روپے ضائع کئے جاتے ہیں۔ ایک غریب اور مقروض ملک میں یہ ہو رہا ہے' اس میں کم از کم یہی پابندی لگا دی جائے کہ آبادیوں میں پتنگ بازی نہیں ہو سکتی' اور جسے بھی مقابلے کرنا ہیں کھلے میدانوں میں جا کر کرے' جہاں کم از کم بجلی کے تاروں کا معاملہ تو نہ ہو۔

(xi) آخری اور گیارھویں بات میں شادی بیاہ کی تقریبات کے حوالے سے کہہ رہا ہوں۔ ضیاء الحق صاحب نے بھی کوشش ناتمام کی تھی اور کچھ نہ کچھ آغاز بھی کیا تھا۔ انہوں نے خود اپنے بچوں کی شادیاں نہایت سادگی سے کی تھیں۔ لیکن یہ دوسری بات ہے کہ اُس وقت ان کی سیاسی ضروریات تھیں جن کے تحت وہ سخت موقف اختیار نہ کر سکے۔ لیکن اب جو پوزیشن اس قوم نے نواز شریف صاحب کو دے دی ہے اس کی بدولت وہ یہ کام کر سکتے ہیں۔ مجھے بھی اس ضمن میں تحریک چلاتے ہوئے بائیس برس ہو گئے ہیں کہ نکاح مسجد میں منعقد ہو۔ حدیث نبویؐ موجود ہے: "اَعْلِنُوا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ"۔ پھر دعوتِ طعام صرف ایک ہو' یعنی ولیمہ۔ اور اس کے لئے بھی ون ڈش کی پابندی عائد کی جائے۔ کم از کم خود نواز شریف صاحب اور تمام سرکاری عہدے دار بھی طے کر لیں کہ جس دعوت میں ایک سے زیادہ ڈش ہو گی اس میں وہ شرکت نہیں کریں گے۔ (واضح رہے کہ یہ خطاب ۱۴/ فروری کا ہے!)

بیرونی معاملات

(۱) آخر میں بیرونی معاملات کے حوالے سے میرا پہلا مشورہ یہ ہے کہ طالبان سے مضبوط روابط قائم کئے جائیں اور قائم رکھے جائیں۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت کو تسلیم کیا جائے۔ کابل کی حکومت کتنے عرصے سے ان کے پاس ہے' Stable بھی ہے تو ہم کیوں تسلیم نہیں کر رہے؟ یہ بہت ضروری ہے۔ اور خاص طور پر اس اعتبار سے بہت ضروری ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے جو جارحانہ انداز اختیار کیا ہے اس میں بڑا

خطرہ مضمر ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ ان کے طالبان کے ساتھ تعلقات ہیں۔ اور پاکستان کی پختون بیلٹ کے ساتھ قومی' جغرافیائی اور ثقافتی affinity بھی ہے۔ بلوچستان کے کسی ہارنے والے امیدوار کا بیان آیا تھا کہ طالبان نے یہاں پر پولنگ کے دوران ان کے ووٹرز کو ہراساں کیا ہے۔ یہ بہت خطرناک علامت ہے اور اس رجحان کا سب سے بڑا توڑ یعنی "master move" یہ ہے کہ خود آگے بڑھ کر طالبان کی حکومت کو تسلیم کر لیا جائے اور ان سے باقاعدہ روابط قائم کئے جائیں۔ یہ ان کا حق ہے' جسے انہوں نے افغانستان کے ۵/۴ حصے پر حکومت قائم کر کے ثابت کر دیا ہے۔ طالبان کے زیر حکومت علاقوں میں امن وامان اور سکون ہے۔ انہوں نے سب سے ہتھیار بھی لے لئے ہیں اور اب کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ایران اور طالبان کے درمیان بھی معاملات کو درست کرایا جائے۔ پاکستان اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرے۔ اس کا تعلق خود پاکستان میں شیعہ سُنّی مفاہمت سے بھی ہے جسے میں نے دو تین سال سے اٹھایا ہوا ہے۔ اگرچہ میرے اپنے کچھ ساتھی بھی اس پر ناراض ہیں۔ عید کے اجتماع میں بھی کسی صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک بہت بزرگ آدمی نے ہمارے ایک ساتھی کی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا کہ "بیٹے! یہ شیعہ سُنّی مفاہمت نہیں ہو سکتی!" اس کے باوجود "hoping against hope" کے مصداق' چونکہ میں شیعہ سنی مفاہمت کو صحیح سمجھتا ہوں لہٰذا اس کے لئے کوشش تو کرتے رہنا ہے۔ یہ نہ صرف افغانستان کے لئے بلکہ اس پورے خِطے کے لئے ضروری ہے۔ میں بار بار کہتا رہا ہوں کہ پاکستان ایران اور افغانستان کا ایک مشترکہ اسلامی بلاک بننا چاہئے جو نیو ورلڈ آرڈر کے مقابلے میں آخری چٹان بن کر رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اس اعتبار سے یہاں شیعہ سنی مفاہمت انتہائی ضروری ہے ورنہ ہم اسی Huntington Doctrine کا شکار ہو کر رہ جائیں گے' جس کا ذکر میں نے اس مقام پر بارہا کیا ہے!

(۳) مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ایران اور چین کا تعاون حاصل کرنے کا بھی موقع ہے۔ دیوگوڑا صاحب کا آج (۱۴/ فروری) جو بیان آیا ہے اسے آپ یوں سمجھئے۔۔ ان

کی اپنی Internal Consumption کے لئے ہے' یہ ان کی ایک ضرورت ہے۔ ورنہ اسی حکومت کا ایک وزیر کہہ چکا ہے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کی ایک شکل یہ بن سکتی ہے کہ کشمیر کو تقسیم کیا جائے اور تقریباً وہی بات جو میں دو تین سال سے کہتا رہا ہوں وہ بات اب ذرا سے فرق کے ساتھ بعض ہندوستانی زعماء بھی کہہ رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ کبھی باہر کے عوامل بھی دخل دیتے ہیں' کبھی اندرونی سیاسی مصلحتیں بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ لیکن ان تمام عوامل کے ہوتے ہوئے اس معاملے میں پیش رفت ہو سکتی ہے اور پاکستان کو اس میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ضرورت ہے کہ ایران اور چین کے Good Offices کو استعمال کیا جائے۔ بھارت کے ساتھ تجارت کے ضمن میں نواز شریف صاحب نے جو بات کہی ہے میں اس بات کا پہلے سے قائل ہوں۔ انہوں نے درست کہا ہے کہ اگر پاکستان اور بھارت اپنی باہمی تجارت کو فروغ دیں تو دونوں ممالک کثیر زرِمبادلہ بچا سکتے ہیں۔ یہ ضرور ہونا چاہئے' لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں اس کے لئے ہمیں پہلے دستوری پیش رفت کے ذریعے پاکستان کے اسلامی تشخص کو مضبوط اور مستحکم کرنا ہو گا۔

(۴) اس ضمن میں آخری بات یہ ہے کہ سنکیانگ میں اب جو نیا سلسلہ شروع ہو گیا ہے' میں اسے بھی Huntington کے ان افکار کا مظہر سمجھ رہا ہوں جو انہوں نے اپنے ایک مقالے میں پیش کئے تھے۔ انہوں نے اپنے مقالے میں تجویز کیا تھا کہ مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کو بھڑکایا جائے اور چین کو مسلمانوں سے دور کیا جائے۔ اسی پر عمل کرتے ہوئے چین کو Eastward looking بنایا گیا ہے' اور اسی لئے "Asia Pacific Economic Council" بنائی گئی ہے۔ لیکن اب سنکیانگ میں جو معاملہ کھڑا کیا گیا' پاکستان کو اس میں active کردار ادا کرنا چاہئے تاکہ کہیں یہ آگ مزید نہ بڑھ جائے' اور ہمارے جذباتی فنڈامنٹلسٹ عناصر کسی کے زیر اشارہ وہاں بھی مسلح کارروائیاں نہ شروع کر دیں۔ یہ شے مستقبل میں اسلام کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

احیاءِ اسلام کے ضمن میں مصوّرِ پاکستان کے افکار

اب آیئے میری گفتگو کے چوتھے حصے کی طرف۔ میری ایک تشویش تو یہ تھی کہ انتخابات کے بعد کہیں اسلام کی طرف سے انحراف کی شکل پیدا نہ ہو جائے اور تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کے احیاء کا معاملہ اسلام کو خارج از بحث کر کے نہ ہو۔ میری دوسری تشویش یہ ہے کہ مذہبی جماعتوں کا بحیثیت مجموعی انتخابی میدان سے تقریباً بے دخل ہو جانا ان میں کسی منفی طرزِ عمل کو جنم نہ دے دے، جس کے کچھ آثار مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بیان کے حوالے سے سامنے آ گئے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک زیادہ اہمیت کا معاملہ جماعت اسلامی کا اور شخصی طور پر قاضی حسین احمد صاحب کا ہے۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ انہوں نے پہلے کہا تھا کہ ہم حکومت کو چھ مہینے دے رہے ہیں۔ پھر ایک اور اچھی بات کہی کہ چھ مہینے کے دوران ہم دیکھیں گے کہ اگر نئی حکومت صحیح رخ پر چلی تو تعاون بھی کریں گے۔ لیکن آج کے اخبار میں ان کا ذرا تیکھا سا انداز ہے کہ "اب معرکۂ حق و باطل ہو گا"۔ تو میں دعا کرتا ہوں کہ اولاً یہ معرکہ واقعتاً حق و باطل کا ہی ہو۔ اور ثانیاً یہ معرکہ صحیح اصولوں کی بنیاد پر اور واقعتاً صحیح طریق کار پر ہو۔ اگر واقعی حق و باطل کا معرکہ ہو تو ہمیں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے علاوہ اور کیا چاہئے۔ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ۔ تری آواز مکے اور مدینے!

لیکن اس کے ضمن میں جو اصل بات میں آج کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو مسلمانانِ ہند کی قومی تحریک تھی جو پورے ہندوستان میں مسلم لیگ کے پرچم تلے چلی تھی۔ اور دوسری جانب ہے احیاءِ اسلام کی تحریک یا "تحریکِ اسلامی"۔ ان دونوں کا نقطۂ اتصال علامہ اقبال کی شخصیت ہے۔ یہ بڑی اہم بات ہوتی ہے کہ کسی ایک شخصیت پر جا کر اگر ذہنی و فکری کچھ اشتراک ہو جائے۔ مثلاً بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث سب کے سب شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شخصیت پر متفق ہیں، اگرچہ ان کے بعد کسی پر متفق نہیں، چاہے وہ سید احمد بریلویؒ ہوں، چاہے شاہ اسماعیل شہیدؒ ہوں۔ اسی طرح برِّعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی قومی تحریک اور احیاء اسلام کی تحریک کا مقامِ اتصال علامہ اقبال ہیں۔ ان

کے بارے میں پانچ باتیں نوٹ کر لیں۔ علامہ اقبال جہاں ایک بہت بڑے تصوریت پسند انسان اور Idealist ہیں' وہیں وہ عملیت پسند یا Pragmatist اور realist بھی ہیں۔ ایک طرف وہ عالمی ملّتِ اسلامیہ کی وحدت کے سب سے بڑے نقیب ہیں ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر

اور

تہراں ہو اگر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے!

(نوٹ کر لیجئے کہ عالم اسلام کا جغرافیائی اعتبار سے مرکز تہران ہی بنتا ہے۔ یعنی مشرق کی جانب نیوگینی اور ایریان اور مغرب کی جانب موریطانیہ اور سینیگال کا فاصلہ تہران سے تقریباً برابر ہے!) لیکن دوسری طرف زمینی حقائق پر بھی نظر ہے اور مسلمانانِ ہند کے مسائل پر غور و فکر اور سوچ بچار بھی ہو رہی ہے۔ یہ دونوں چیزیں آپ کو یکجا کہیں اور نہیں ملیں گی۔ پھر یہ کہ ایک طرف وہ سترہ سال پہلے قیام پاکستان کی پیش گوئی کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست کا قیام تقدیر مبرم ہے۔ اس اعتبار سے وہ مفکرِ پاکستان' مصورِ پاکستان' اور مبشرِ پاکستان ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس آزاد مسلمان ریاست کا اصل نصب العین اور اصل ہدف کیا معین کر رہے ہیں؟ ایک آزاد مسلمان ریاست کا قیام بذاتہٖ مقصود نہیں ہے۔ بلکہ خطبہ الٰہ آباد میں فرماتے ہیں کہ اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ اسلام کے چہرے پر جو پردے عرب استعمار (یعنی ملوکیت) کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اس کا مطلب بالکل ظاہر ہے کہ اصل اسلام تو خلافتِ راشدہ کا تھا۔ تو یہ جامعیت آپ کو اور کسی شخصیت میں نظر نہیں آئے گی۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ وہ مسلمانوں کی قومی تحریک کی قیادت کے لئے قائداعظم کو یورپ سے بلواتے ہیں۔ صاحبزادہ عبدالرسول صاحب کی کتاب "تحریک پاکستان" میں یہ تفصیل موجود ہے۔ قائداعظم شدید مایوس ہو کر اور مسلمانانِ ہند سے بالکل بددل ہو کر لندن میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان کو کھینچ کر ہندوستان واپس بلانے

والا شخص اقبال ہے۔ یہ تو قومی تحریک کی قیادت کا معاملہ تھا' اور دوسری طرف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو دکن سے پنجاب بلانے والے بھی علامہ اقبال ہی ہیں۔ مسلمانوں کی قومی تحریک اور اسلام کے احیاء کی تحریک کا یہ اجتماع آپ کو اور کہاں ملے گا؟ اقبال کو خوب معلوم تھا کہ ایک تو مسلمانانِ ہند کی قومی تحریک ہے' اس کی قیادت کے تقاضے کچھ اور ہیں' جبکہ دوسرے احیاء اسلام کی تحریک ہے' جس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ چنانچہ اقبال ایک طرف تو مسلم لیگ کے کارکن تھے۔ ۱۹۳۵ء میں جب Government of India Act پاس ہوا تھا اور اس کے تحت الیکشن ہونے والے تھے تو قائداعظم کی درخواست پر وہ مسلم لیگ کا جو پارلیمانی بورڈ بننا تھا' اس میں سیکرٹری کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ دوسری طرف اسی زمانے میں وہ خالص اسلامی اصولوں پر بیعت و امارت کی بنیاد پر ایک خالص فدائین کی تحریک "جمعیت شبان المسلمین" کے نام سے قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ یہ جامعیت آپ کو اور کہاں ملے گی؟ یہی وجہ ہے کہ میں نے خاص طور پر آج کے اجتماع کے لئے اس کتاب کو شائع کرایا ہے جو پہلے دو اقساط میں صرف میثاق میں چھپی تھی اور جو اصل میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی ان کے انتقال سے عین قبل چھپنے والی کتاب "مسلمانوں کا سیاسی نصب العین" سے اخذ کی گئی ہے۔ اصل کتاب میں بہت سا غیر متعلق مواد بھی تھا۔ اس میں سے اصل خلاصہ نکال کر عزیزم عاکف سعید نے اسے مرتب کر دیا ہے۔ اس کتاب کو آپ ضرور پڑھئے۔ اس کا ٹائٹل یہ ہے : "چند غیبی اشارات کے پیش نظر علامہ اقبال کی آخری خواہش جو بوجوہ شرمندۂ تعمیل نہ ہو سکی"۔ یعنی امارت اور بیعتِ سمع طاعت کی بنیاد پر استوار فدائین کی ایک جماعت۔ یہ وہی جماعت ہے جس کا یہ اصول میں بیان کر چکا ہوں کہ وہ الیکشن میں حصہ نہیں لے گی۔ غور کیجئے کہ علامہ اقبال ایک طرف مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ میں شریک ہیں' اس لئے کہ یہ مسلمانانِ ہند کی قومی تحریک کا تقاضا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس قومی تحریک سے اسلامی ریاست وجود میں نہیں آ سکتی۔ قومی تحریک کی بدولت پاکستان بن جائے گا لیکن اسے "اسلامی" بنانے کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ اس لئے میں نے اقبال کو موجودہ صدی میں فکر اسلامی کا مجدد قرار دیا ہے اور انقلاب

اسلامی کا سب سے بڑا داعی بھی کہا ہے' اگرچہ اس جماعت کے قیام کی جانب ان کی زندگی میں کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی۔ اقبال کی انقلابی سوچ تو یہ تھی ؎

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب!
از جفائے دِہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب
انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!!

انہوں نے انقلاب کا نعرہ بلند کیا' لیکن اس کے لئے ایک منظم جماعت چاہئے! یہی حیاتِ دنیوی کے آخری دور میں ان کی کوشش تھی۔ اگرچہ انہوں نے خود کہا ہے کہ ۱۹۰۷ء میں بھی' جبکہ وہ ابھی انگلستان میں تھے' انہیں اس حوالے سے کچھ غیبی اشارات یا کچھ روحانی تجربات ہوئے تھے' لیکن اُس وقت انہوں نے اپنے اندر اس کی ہمت نہیں پائی۔ وہ ۱۹۳۲ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ چند سال قبل (یعنی پہلی واردات کے تقریباً ۲۰ برس بعد) مجھے دوبارہ اسی قسم کے اشارات پھر ملے کہ اس طرح کی ایک جماعت بنائی جائے۔ اس کے بعد پھر یہ عمل شروع ہوا۔ پہلے جماعت مجاہدین علی گڑھ قائم ہوئی اور اس کے بعد "جمعیت شبان المسلمین ہند" قائم کرنے کی کوشش ہوئی۔ یعنی ہندوستان کے نوجوانوں کی ایک جمعیت جو فدائی ہو اور امارت اور بیعت سمع و طاعت کے اصول پر کاربند ہو کر کام کرے۔

اسلامی انقلاب کا طریق

اسلامی انقلاب کے ضمن میں اب میں کچھ مثبت باتیں بھی کہنا چاہتا ہوں۔ پاکستان میں اسلامی انقلاب کے خواہش مند تمام لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ ان کا مقابلہ صرف اندرون پاکستان کے مغرب پرست' مغربی تہذیب کے دلدادہ اور سیکولر لوگوں اور مراعات یافتہ طبقات سے نہیں ہے بلکہ ان کا اصل مقابلہ نیو ورلڈ آرڈر سے ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے! آپ اپنی قوت کو یہاں کی سطح پر asses کریں تو یہ بڑی بے وقوفی ہوگی۔ یاد کیجئے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی اگر سلطنتِ روما اور سلطنتِ ایران کو ابتداء میں پتا چل گیا ہوتا کہ ہماری جڑیں کاٹنے کا کام کہاں ہو رہا ہے تو معاملہ

بالکل ہی مختلف ہوتا۔ غزوۂ تبوک کے بعد تو یہ ہو گیا تھا کہ ایک صحابی کعب بن مالکؓ کو حضورؐ نے سزا دی تو شاہِ غسّان کا خط لے کر اس کا ایلچی پہنچ گیا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے صاحب تم پر بڑا ظلم کر رہے ہیں' تم تو بڑے قیمتی ہیرے ہو' ہمارے پاس آؤ' ہم تمہارا اعزاز و اکرام کریں گے۔ حضرت کعبؓ نے وہ خط تندور کے اندر ڈال دیا کہ اے اللہ یہ تو میرے اوپر بہت بڑی بپتا آ گئی' میں اس امتحان کے قابل نہیں ہوں۔ غور کیجئے کہ اگر اس دور کی طاقتوں کو پہلے پتا چل گیا ہوتا تو صورت حال کیا ہوتی؟ بہرحال یہ اللہ کی مشیّت اور اللہ کی حکمت تھی۔ لیکن آج صورت حال یہ ہے ہم سے زیادہ بیرونی قوتیں ہم سے واقف ہیں۔ لہٰذا صرف بے نظیر یا نواز شریف وغیرہ کو اپنا مدِمقابل سمجھ کر اپنی پلاننگ نہ کریں۔ اصل میں اس صورت حال اور چیلنج کا اگر مقابلہ کیا جا سکتا ہے تو صرف اسی صورت میں کہ قوم کو بحیثیتِ مجموعی بھوکے رہنے اور مرنے کے لئے تیار کیا جائے۔ اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے!! ایران نے اس کی تھوڑی سی جھلک دکھا دی تھی کہ کس طرح ایک قوم بحیثیتِ مجموعی مرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اس کا صدام حسین سے مقابلہ تھا جس کے پیچھے اولاً پورا عالم عرب اور اس کے بعد امریکہ تھا۔ اور ایران کی طرف سے Teen agers میدان میں فوج در فوج آ گئے تھے۔ یہ جذبہ جب تک پیدا نہ ہو آپ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب اس کے لئے عملی شکل کیا ہے؟ اسلامی انقلاب کیسے آئے گا' کس طرح آئے گا' کیا Steps ہوں گے' یہ میں اپنے خطابات میں بیان کر چکا ہوں۔ آج کسی اور حوالے سے' اور برعکس ترتیب کے ساتھ بات کر رہا ہوں۔

(۱) پہلا ہدف جو انقلاب کے خواہش مند تمام لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے وہ یہ ہے کہ کم از کم دو لاکھ ایسے سربکف فدائین تیار ہوں جو دو شرائط پوری کریں' یعنی اپنی معاش اور معاشرت میں اسلام کو نافذ کریں اور ایک شخص سے بیعت کر کے سربکف ہو جائیں۔ تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے' لیکن اس کا جو دوسرا پہلو ہے وہ میں چاہتا ہوں کہ آج واضح کر دوں۔

ظاہر ہے کہ یہ دو لاکھ آدمی ایک دن میں تو پیدا نہیں ہو جائیں گے۔ لیکن جب پیدا ہو جائیں گے تو ان دو لاکھ کے گرد کم از کم دو کروڑ انسان ہوں گے جو اگرچہ اتنے فعال

اور اپنے آپ کو نظم میں کس کر پیہم اور مسلسل کام کرنے کی صلاحیت کے حامل نہیں ہوں گے' لیکن ان دو لاکھ کے ہم خیال اور بہی خواہ ضرور ہوں گے' Supporters ہوں گے' اور وقت پڑنے پر ان شاء اللہ سربکف ہو کر میدان میں آجائیں گے۔ تو دو لاکھ کو دو لاکھ نہ سمجھئے۔ جب دو لاکھ اس نہج کے آدمی تیار ہوں گے تو دو کروڑ آدمی ان کے ساتھ ایسے ہوں گے کہ جب بھٹی دھکے گی تو وہ شاید سرفروشی میں ان دو لاکھ سے بھی آگے نکل جائیں۔ ۱۹۵۳ء میں گاے ماجھے ہی تھے جنہوں نے ختم نبوت کے لئے اپنے سینے کھول کر گولیاں کھائیں اور جانیں دیں۔ میں چشم دید گواہ ہوں' میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے' اُس وقت میں میڈیکل کالج کا طالب علم تھا۔ گوالمنڈی چوک میں کھلنے والے میو ہسپتال کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہم نے وہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ گولیوں کی ایک بوچھاڑ آئی اور کچھ لوگ گرے۔ پیچھے جو لوگ تھے وہ گریبان کھول کر آگے آئے اور انہوں نے بآوازِ بلند کہا "چلاؤ گولی!" چنانچہ پھر گولیوں کی بوچھاڑ آئی اور کچھ لوگ گرے۔ بعد میں ہمیں آپریشن تھیٹر میں جا کر معلوم ہوا کہ ان میں دو سگے بھائی تھے۔ ایک بھائی پہلی مرتبہ اور دوسرا بھائی دوسری دفعہ نشانہ بنا تھا۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ کیا نمازی' روزے دار تھے؟ داڑھی والے تھے؟ تو یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ دو لاکھ فدائین تیار ہوں گے تو دو کروڑ ایسی قوت بھی مہیا ہو جائے گی!

(۲) دوسری بات جسے میں کتنے ہی عرصے سے آپ حضرات کے سامنے اور آپ کی وساطت سے دوسرے لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہوں' یہ ہے کہ ان دو لاکھ افراد کے پیدا کرنے کے لئے لازم ہے کہ جو بھی انقلاب پسند قوتیں ہیں وہ اپنے resources کو pool کریں۔ اگر مدغم نہیں ہو سکتے' نہ ہوں' لیکن کم از کم ایک وفاق کی شکل میں تو آئیں' ایک پلیٹ فارم پر تو جمع ہوں۔ دعوت اور تربیت کے مراحل میں تو اپنے وسائل کو جمع کریں۔ سب اپنی قیادتوں اور امارتوں کو سلامت رکھیں لیکن وفاق تو ہو۔ صرف اس کام کے لئے کہ ہمیں وہ ٹارگٹ پورا کرنا ہے' دو لاکھ ایسے افراد تیار کرنا ہیں' اس کے لئے دعوت و تربیت کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ کام علیحدہ علیحدہ خانوں میں بٹ کر نہیں بلکہ یکجا ہو کر کیا جائے۔ یہی مقصد ہے جس کے حوالے سے میں نے جماعت

اسلامی اور تحریک اسلامی کو وفاق کی پیشکش کی تھی۔ اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ انقلابی فکر کا حامل طبقہ صرف یہی ہے۔ انقلاب کا نعرہ لگانے والے اور بھی ہیں۔ میں نے ان سب کے قریب جا کر اور انہیں اپنے قریب لا کر اچھی طرح کھنگال لیا ہے' لیکن کسی اور تل میں کوئی تیل نہیں ہے۔ لیکن ان جماعتوں میں کم از کم انقلابی فکر تو موجود ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ جب یہ قوت فراہم ہو جائے تو پھر میرے خیال میں Agitation ہو' لیکن خالص مذہبی اور دینی امور پر۔ بدقسمتی سے اس وقت مذہبی جماعت نے بھی نعرہ لگایا تو احتساب کا' دین کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی۔ سوال یہ ہے کہ احتساب کون کرے گا؟ آپ اینٹی کرپشن کا محکمہ قائم کر دیں تو وہ سب سے بڑھ کر کرپٹ ہو جائے گا۔ احتساب کے لئے جو ادارہ بھی بنائیں گے اس میں کیا آسمان سے فرشتے لے آئیں گے؟ یہ بالکل اَن ہونی باتیں ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ایک حد تک احتساب تو اس وقت سیاسی عمل کے ذریعے بھی یقیناً ہوا ہے۔ بہرحال Agitation ہو تو خالص دینی Issue پر' جسے عوام بھی مانیں کہ ہاں! یہ واقعی دین کا مسئلہ ہے' یہ کوئی سیاسی یا انتظامی مسئلہ نہیں ہے۔ تب ہی وہ بھوکے رہنے کے لئے تیار ہوں گے۔ تب ہی وہ دو کروڑ آدمی بھی سربکف ہو کر میدان میں آئیں گے۔ اس تحریک کا عنوان "نہی عن المنکر بِالید" ہو گا۔ اور یہ مظاہروں سے شروع ہو کر سول نافرمانی تک جائے گی' لیکن پوری طرح disciplined' منظم اور پُرامن انداز میں۔ یعنی مظاہرین اپنی جانیں دینے کے لئے تیار ہوں' لیکن وہ نہ کسی کی جان لیں اور نہ کسی کی ملکیت کو نقصان پہنچائیں۔ خواہ وہ قومی property ہو یا کسی فرد کی property ہو۔ اسے آپ Unarmed بغاوت کہہ لیجئے جو غیر مسلح اور پرامن مظاہروں سے شروع ہو کر پرامن' منظم سول نافرمانی تک جائے۔ میرے نزدیک انقلاب کے لئے یہی راستہ موزوں ہے۔ لیکن میں نے وفاق بنانے کے لئے اپنی تجویز میں یہ بھی کہا ہے کہ کسی وقت اگر ہمیں یہ محسوس ہو کہ ہم ایک ہی الیکشن میں Sweep کر سکتے ہیں تو الیکشن میں حصہ لینا بھی حرام نہیں ہے۔ لیکن پیم الیکشن کے process میں حصہ لیتے رہنا صحیح نہیں ہے۔ میرے اطمینان کے لئے مولانا مودودی مرحوم کا قول موجود ہے جو ان کے صاحب زادے ڈاکٹر احمد فاروق مودودی صاحب کی

وساطت سے کراچی کے شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کو اور ان کے ذریعے مجھ تک پہنچا ہے۔ یہ ان کے زندگی کے آخری ایام کا قول ہے کہ "مجھے اپنی تین بڑی بڑی غلطیوں کا شدید احساس ہے' جن میں سے ایک مسلسل الیکشن میں حصہ لیتے رہنا ہے۔" جماعت اسلامی نے پہلی بار ۱۹۵۱ء کے الیکشن میں حصہ لیا تھا اور اسی وقت پتہ چل گیا تھا کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ مسلسل الیکشن میں حصہ لیتے رہنا جماعت کی ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ لیکن یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ اگر الیکشن سے کامیابی ہو بھی جائے' تو بحالات موجودہ' الجزائر والا معاملہ بھی پیش آ سکتا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ کرنے کے لئے تو پھر میدان میں آنا ہی ہے۔ لہٰذا جانیں دیئے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا۔ تیاری اسی کام کی کرنی ہوگی کہ دو لاکھ سر بکف فدائین اور باعمل مسلمان ایک امیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے منظم طاقت بنیں۔ یہی انقلاب کا واحد طریقہ ہے۔

اور اگر دینی جماعتوں کے وفاق کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی تو بہرحال میرے اپنے اطمینان کے لئے یہ کافی ہے کہ میں تو ۶۵ء سے لے کر آج تک یہی کام کرتا رہا ہوں۔ میں نے ۳۳ برس کی عمر میں اپنی Independent تحریکی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ طالب علمی کے دور میں بھی مسلم لیگ کے ساتھ' تحریک پاکستان میں مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن کے کارکن کی حیثیت سے کام کیا' پھر جماعت اسلامی کے ساتھ دس برس گزارے۔ اس کے بعد جماعت سے علیحدہ ہونے والے زعماء کے گھروں اور دروں کی خاک چھاننے کے بعد بالآخر ۱۹۶۵ء میں لاہور منتقل ہو کر اپنی ذاتی حیثیت میں کام شروع کیا' اور آج تک اسی جدّوجہد میں لگا ہوا ہوں۔ میرے اطمینان کے لئے یہ بہت ہے۔ میری اس جدّوجہد کے دو پہلو ہیں۔ اولاً مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ میں جو دارالارشاد قائم کیا تھا' اور علامہ اقبال کا مجوزہ دارالاسلام جو پٹھان کوٹ میں قائم ہوا' اور مولانا مودودی کا ادارہ جو ۱۹۴۸ء میں راولپنڈی میں قائم ہوا تھا کہ گریجویٹس کو دینی تعلیم دی جائے' ہمارے ان تین عاظم رجال نے جس کام کا آغاز کیا تھا اور جو بوجوہ چل نہیں پایا' الحمدللہ کہ میں نے اس کو انجمن خدام القرآن' قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج کے حوالے سے جاری کیا ہے۔ اور اب بھی اسی شمع کو روشن کئے ہوئے ہوں۔ ثانیاً غلبۂ دین کی جدّوجہد ہے جس کے لئے

برِعظیم پاک و ہند میں بیسویں صدی عیسوی میں تین عنوانات کے تحت کوشش ہوئی' مولانا ابوالکلام آزاد کی حزب اللہ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۰ء تک۔ پھر علامہ اقبال کی مجوزہ جمعیت شبان المسلمین ہند' جس کے لئے ۱۹۳۲ء سے لے کر ۱۹۳۶ء تک ان کی مساعی ریکارڈ پر ہیں۔ اور پھر ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۱ء تک کی جماعت اسلامی' جو میرے خیال میں ابتدا میں تو علامہ اقبال ہی کے افکار کے زیر اثر قائم ہوئی تھی لیکن بعد میں جماعت اسلامی پاکستان نے جمعیت شبان المسلمین کے طریقے سے منحرف ہو کر ایک قومی سیاسی جماعت کی شکل اختیار کرلی۔ یہ انحراف دو طریقوں سے ہوا۔ ایک قومی قیادت کے ساتھ تصادم مول لیا۔ جماعت اس کی حریف بن کر میدان سیاست میں آگئی۔ جو اقبال کے فلسفے اور ان کے طرز عمل کے بالکل منافی تھا۔ حالانکہ مولانا مودودی مرحوم کو پنجاب بلانے والے تو اقبال ہی تھے۔ دوسرے الیکشن میں حصہ لینا' یہ بھی جمعیت شُبان المسلمین کا جو نقشہ بنایا گیا تھا اس کے خلاف طرز عمل تھا۔ الغرض مولانا ابوالکلام آزاد کی "حزب اللہ" جو ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۰ء تک قائم رہی' علامہ اقبال کی "جمعیت شبان المسلمین ہند" جو قائم ہی نہیں ہو سکی (۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۶ء تک چار سال کی محنت تو ہوئی لیکن یہ قائم ہوتے ہوتے رہ گئی) اور ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۱ء تک کی جماعت اسلامی' یہی وہ تسلسل ہے جسے تنظیم اسلامی اور تحریکِ خلافت پاکستان کے عنوان سے ہم نے جاری رکھا ہوا ہے۔ میرے پاس جو بھی صلاحیت اور قوت ہے میں نے اسی کام میں لگائی ہے' اور ان شاء اللہ لگاتا رہوں گا۔ اسی کے لئے آپ بھی دعا کیجئے' اور میں بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آخری سانس تک اس کام میں لگائے رکھے۔ ہاں میں پکارتا رہوں گا کہ آؤ اور جمع ہو کر کام کرو۔ لیکن کوئی نہ آئے تو میں بیٹھا نہیں رہوں گا۔

اَقولُ قَولی ھٰذا واستغفر اللّٰہَ لِی وَلکم وَلسائرِ المُسلمین وَالمُسلِمات ○○

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حقیقتِ تصوّف (۲)

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

جس کے بعض حصوں کو "تنظیم الاخوان" نے سیاق و سباق سے کاٹ کر عام کیا!

(خطاب کے ان حصوں کو جنہیں "تنظیم الاخوان" نے اپنے تیار کردہ کیسٹ میں شامل نہیں کیا تھا' قارئین کی سہولت کے لئے جلی حروف میں نمایاں طور پر شائع کیا گیا ہے)

تزکیۂ نفس' ایمان اور احسان کے حوالے سے جو بات ہم نے سمجھی ہے اسے صوفیاء کی اصطلاحات کے حوالے سے بھی سمجھ لیں۔ میں نے شروع میں "تجلیۂ روح" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ جیسے سورج کی ایک کرن ہے جو ٹھنڈی پڑ گئی ایسا ہی روح کا معاملہ ہے' ذکر الٰہی کے ذریعے گویا آپ نے اسے دوبارہ حرارت پہنچانا شروع کی۔ اس کی روشنی ماند پڑ گئی تھی آپ نے اسے دوبارہ روشن کرنا شروع کیا۔ یہ تجلیہ ہے! اور یہاں بھی میں لفظ "تحریر الروح" کو لانا چاہتا ہوں' لیکن یہاں تحریر کا لفظ حرارت سے ہے۔ روح کا تجلیہ اور روح کو حرارت بہم پہنچانا' یہی ذکر کا اصل کام ہے۔ اور ذکر کے ضمن میں اصل شے قرآن ہے' پھر نماز آتی ہے' اور اس کے بعد اذکار مسنونہ ہیں۔ اس نئی اصطلاح "تحریر الروح" کے جو دو معانی میں نے بیان کئے ہیں' ایک آزاد کرنا اور دوسرے حرارت پہنچانا' تو اس عمل کا نتیجہ وہ ہے جسے فلاطینوس (Plotinus) نے نہایت خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے' یعنی "Flight of the alone to the Alone" درحقیقت ہماری روح انتہائی تنہا ہے۔ روح کا کسی سے کوئی رشتہ نہیں' روح کسی کی باپ ہے نہ کسی کا بیٹا' نہ کسی کا شوہر نہ کسی کی بیوی۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جدید فلسفے میں بھی وجودیت کے حوالے سے کرب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو شخص بھی ذہنی اور نفسیاتی اعتبار سے بلند ہونا شروع ہوتا ہے اس میں تنہائی کا احساس بڑھنے لگتا ہے۔ جتنا اس کے اندر تنہائی کا احساس شدید ہو گا اسی قدر وہ حیوانی سطح سے بلند ہوتا جائے گا۔

ایک طرف انسانی روح کی individuality ہے اور دوسری طرف وہ ذات ہے جو "الاَحَد" ہے۔

روح کا اصل رجحان اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔ ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے، اپنے مرکز اور source کی طرف رجوع کرتی ہے۔ روح کی مثال ایک پرندے کی سی ہے جو جسم اور حیوانیت کے پنجرے میں مقید ہے، یہ پرندہ پھڑپھڑاتا ہے اور قید سے آزاد ہو کر اوپر اٹھنا چاہتا ہے۔

یہاں اقبال کے دو اشعار ملاحظہ کیجئے :

مرا دل سوخت بر تنہائیٔ اُو
کنم سامانِ بزمِ آرائیٔ اُو
مثالِ دانہ می کارم خودی را
برائے اُو نگہ دارم خودی را

یعنی میرا دل جلتا ہے اس صدمے اور رنج سے کہ اللہ اکیلا ہے، تنہا ہے۔ میں اس کی محفل سجانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جیسے دانے کو پروان چڑھایا جاتا ہے تو وہ پودا بنتا ہے، کسان اسے پالتا اور پوستا ہے اسی طرح میں اپنی خودی کی پرورش کر رہا ہوں اور اسے پال رہا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی خودی یعنی انا یا روح کی حفاظت کر رہا ہوں۔

اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ روح کی تقویت کا سامان کرنا ہے، جس کا ذریعہ ایک لفظ میں بیان کریں تو وہ "ذکر" ہے۔ اس کی شرح کریں تو سب سے بڑا ذکر خود قرآن ہے، پھر نماز اور اذکار مسنونہ۔ اس سے تجلیہ روح حاصل ہو گا اور ایمان کی شدت اور گہرائی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، یہاں تک کہ انسان منزل احسان کو پالے گا۔

تقویت و تغذیہ روح کے ساتھ ساتھ جو دوسرا عمل درکار ہے اسے میں نے تہذیب و تزکیۂ نفس سے تعبیر کیا تھا۔

تہذیب و تزکیۂ نفس کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟ مخالفتِ نفس کی ریاضتیں! ریاضت

کسے کہتے ہیں؟ مشقتیں یا exercises۔ جیسے جسمانی ریاضت کو آپ کسرت کہتے ہیں جو پہلوان کرتا ہے۔ اسی طرح موسیقی سیکھنے والا ریاض کرتا ہے' اسے بھی خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے ورنہ سر ٹھیک نہیں ہوتا۔ اسی پر قیاس کر کے سمجھئے کہ نفس امارہ کی گرفت کو کمزور کرنے کے لئے بھی بڑی محنت کرنا پڑتی ہے' نفس کی مخالفت کرنا پڑتی ہے۔

اس ریاضت میں سب سے پہلی چیز "اقامت الصلوٰۃ ہے۔ نماز تو ذکر الٰہی کا ذریعہ ہے اور اس اعتبار سے تقویت و تغذیہ روح کا سامان ہے' لیکن اقامت الصلوٰۃ یعنی نماز کو قائم کرنا' کہ کوئی مصروفیت' کوئی دوستی' کوئی کاروبار دنیوی آڑے نہ آئے' یہ مخالفت نفس کی ریاضت ہے۔ طبیعت آمادہ ہو یا نہ ہو' مسجد میں آنا ہے۔ شدید سردی ہے اور یخ پانی ہی دستیاب ہے تو اسی سے وضو کرنا پڑے گا۔ تہجد کی نماز میں نیند کو قربان کر کے کھڑا ہونا ہے تو یہ بھی مخالفت نفس ہی کی ایک صورت ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً۔ یہ تہجد نفس کو کچلنے میں نہایت معاون ہے۔ پھر روزہ ہے جس میں جسمانی تقاضوں کی مخالفت کی جاتی ہے۔ تیسری شے انفاق مال ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بھی نفس کی مخالفت ہوتی ہے کیونکہ مال و دولت انسان کو بہت محبوب ہوتا ہے۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ۔

نوٹ کیجئے کہ اقامت الصلوٰۃ' صوم' اور انفاق مال سے مخالفتِ نفس کا مقصد حاصل ہوتا ہے' اور یہی مقصد دو اور فرائض کی ذریعے بھی پورا ہوتا ہے۔ یہ دونوں فرائض اصل میں ان تینوں کے جامع ہیں۔ پہلی چیز ہے حج۔ اس میں انفاق مال بھی ہے' احرام کی پابندیاں بھی ہیں' ذکر بھی ہے' نہایت شدید مشقت بھی ہے۔ اور دوسری شے ہے دعوت دین اور اقامت دین کی جدوجہد۔ اس میں بھی مخالفت نفس ہوتی ہے۔ محنت اور مشقت ہے جو آرام و استراحت کے منافی ہے۔ تہمت و ملامت ہے جو تحسین و تعریف کے منافی ہے۔ یہ وہ ضرورت ہے جس

کے لئے صوفیاء کے ایک طبقے نے باقاعدہ فرقہ ملامتیہ ایجاد کیا' کیونکہ یہ بھی نفس کی مخالفت ہی کی ایک صورت ہے کہ لوگ کسی کو حقیر سمجھیں' گالیاں دیں' فاسق و فاجر کہیں۔ آپ آگے بڑھ کر حق کی دعوت دیجئے' اس راہ میں تو محمد رسول اللہ ﷺ جیسے شخص کو بھی کہا گیا کہ پاگل ہیں' مسحور ہیں' شاعر ہیں' کذّاب ہیں' ساحر ہیں۔ (نَعُوذُ بِاللّٰہ مِن ذٰلک) لیکن حکم ہے کہ صبر کرو۔ تو مخالفت نفس ہو گئی یا نہیں؟ آپ اقامتِ دین کی جدوجہد میں مال خرچ کر رہے ہیں' یا اگر وقت صرف کر رہے ہیں تو بھی عام مقولے "Time is money" کے مطابق یہ انفاق مال ہی ہے۔ پھر آپ اپنی اور اپنی آل و اولاد کی جانوں کے لئے آفات اور مصائب کا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ قتال کا مرحلہ ہے تو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر پیش کر رہے ہیں۔ اس طرح بنیادی حیوانی داعیات میں سے دو' یعنی بقائے نفس (Preservation of the self) اور بقائے نسل (Perservation of the species) کی مخالفت ہو رہی ہے یا نہیں؟ اب اس میں سمجھنے کا نکتہ یہ ہے کہ خارج میں دو ہی صورتیں ہیں: اللہ کا دین غالب ہے اور اسلامی ریاست موجود ہے تو مخالفت نفس کے لئے اقامت الصلوٰۃ' صوم' انفاق' اور حج کے ذرائع اختیار کیجئے۔ اگر اللہ کا دین پامال ہے تو مخالفت نفس کی ریاضتوں کے سلسلے میں بھی دعوت دین اور اقامتِ دین کی جدوجہد کو تمام نفلی عبادات پر فوقیت حاصل ہو جائے گی۔

دعوت و اقامتِ دین کی جدوجہد میں انفرادی اعتبار سے جو اصل ہدف ہے وہ ہمارے سامنے آگیا' یعنی مخالفت نفس کی ریاضت تاکہ روح کو تجلیہ حاصل ہو جائے۔ اب اجتماعی پہلو سے دیکھئے کہ اس میں اضافی حکمت کیا ہے۔ اس جہاد کا ہدف ہے نظام عدل و قسط کا قیام'

تا کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں انسانوں کے لئے اس سلوک کی راہ کو اختیار کرنا ممکن ہو سکے۔ غور کیجئے کہ کس قدر خود غرضی کا مظاہرہ کرتا ہے وہ شخص جو برس ہا برس جنگلوں اور ویرانوں میں مخالفت نفس کے لئے مشقتیں جھیل رہا ہے' خود کو مانجھ رہا ہے' رگڑ رہا ہے' اور دوسری طرف کروڑوں انسان مسلسل ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ انسانوں کی عظیم اکثریت کو وہ موقع ہی میسر نہیں کہ کوئی اعلیٰ خیال یا اونچا آدرش ان کے حاشیہ خیال ہی میں گزر سکے۔ اگر تم اپنی روح کو نفس کی بیڑیوں سے آزاد کرا رہے ہو تو دوسروں کو بھی ظلم و استحصال سے نجات دلاؤ تا کہ وہ بھی اس راہ میں آگے بڑھ سکیں۔

یہ نکتہ میں نے "نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت" نامی کتابچے میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت تاریخ انسانی کے ایک نہایت اہم موقع پر ہوئی ہے۔ حضورؐ کی بعثت کے بعد سے افراد کی ارادے اور اختیار کی آزادی محدود سے محدود تر ہوتی چلی گئی ہے اور اجتماعی نظام کی گرفت روز بروز شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔ اب یہ ممکن ہی نہیں رہا کہ انسان اپنے اجتماعی ماحول اور مجموعی نظام کے اثر سے آزاد ہو کر زندگی گزار سکے۔ چنانچہ آج ظالمانہ نظام کی گرفت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ سیاسی جبر' معاشی استحصال اور معاشرتی اونچ نیچ پر مبنی اجتماعی نظام سے فرد کا متاثر نہ ہونا ممکن نہیں ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ : "کَادَ الفقرُ اَن یکون کفرًا" یعنی فقر و فاقہ' احتیاج اور افلاس انسان کو کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے غافل تو کر ہی دیتے ہیں' بقول فیض ؎

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

اس سلسلے میں اصل حکیمانہ قول حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس معاشرے میں تقسیم دولت کا نظام غیر منصفانہ ہو گا تو وہاں ایک

جانب دولت کے انبار لگیں گے' عیاشیاں ہوں گی' بدمعاشیاں اور خرمستیاں ہوں گی' اور دوسری طرف فقر و احتیاج ہو گا۔ انسانوں کی اکثریت باربرداری کے حیوانات کی مانند زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے وہ بھی غافل اور یہ بھی غافل' وہ بھی محروم اور یہ بھی محروم۔ ان حالات میں نظام عدل اجتماعی کے قیام کے بغیر انسانوں کی عظیم اکثریت کے لئے روحانی ترقی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ خدمتِ خلق کی تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل ہے بھوکوں کو کھانا کھلانا' ضرورت مندوں کی امداد کرنا۔ اور ایک داعی حق کے لئے یہ چیز نہایت ضروری ہے' ورنہ اس کی دعوت دوسروں تک نہیں پہنچ پائے گی ـــــ دوسری منزل ہے خدمتِ خلق کے حوالے سے لوگوں کی عاقبت سنوارنے کی کوشش کرنا' اللہ کی طرف دعوت دینا۔ اس سے بڑی کوئی خدمتِ خلق نہیں ہو سکتی کہ انسان دوسروں کی ابدی زندگی کی فلاح کے لئے کوشش کرے ـــــ خدمتِ خلق کی تیسری منزل یہ ہے کہ خلق خدا کو ظالمانہ نظام کے جبر و استحصال سے نجات دلانے کی کوشش کی جائے۔ صرف پہلی قسم کی خدمت خلق کو کل سمجھ لینا دراصل دین کے محدود تصور کا شاخسانہ ہے۔

(جاری ہے)

ضرورت رشتہ

۴۲ سالہ میٹرک رفیق تنظیم کے لئے دینی تعلیم سے آراستہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔
ترجیحاً رفیقہ تنظیم ہو۔ رابطہ : محمود اختر کجلانوی
معرفت : ملت دواخانہ' علامہ اقبال روڈ' سیکٹر E2 نزد ریلیکس سنیما میرپور آزاد کشمیر

"قرض اتارو' ملک سنوارو" سکیم میں زکوٰۃ کی رقم کا استعمال؟

گزشتہ دو ہفتوں کے دوران ایک سوال جو امیر تنظیم اسلامی سے مختلف مواقع پر مختلف لوگوں کی طرف سے بار بار پوچھا گیا وہ یہ تھا کہ آیا "قرض اتارو ملک سنوارو" سکیم میں زکوٰۃ کی رقم کا استعمال جائز ہے؟ ہفتہ کی شام کو اپنے ہفتہ وار درس قرآن کی نشست کے اختتام پر امیر تنظیم نے اس کا جو مفصل جواب دیا اسے افادۂ عام کے لئے شائع کیا جا رہا ہے ——

میں نے عام حالات میں اپنے اوپر ایک پابندی لگائی ہے اور میں بالعموم اس کے خلاف نہیں کرتا کہ فقہی مسائل میں میں دخل نہیں دیا کرتا۔ لیکن موجودہ تناظر میں یہ سوال غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے' لہٰذا اس صراحت کے ساتھ کہ اسے فتویٰ نہ سمجھا جائے' اس بارے میں اپنی رائے پیش کر رہا ہوں۔ جن لوگوں کو میری رائے پر اعتماد ہو وہ اس پر عمل کریں۔ اور جو مزید تحقیق کرنا چاہیں وہ ان علمائے کرام سے پوچھ لیں جو علم فقہ میں گہرا درک رکھتے ہوں۔

میرے نزدیک زکوٰۃ کی رقم "قرض اتارو' ملک سنوارو" سکیم میں دی جا سکتی ہے۔ میرا جواب اثبات میں ہے۔ یعنی میرے نزدیک ایسا کرنا صحیح ہے' غلط نہیں۔ لیکن یہ چیز ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ وہ شرط میں بعد میں بیان کروں گا۔ ہو سکتا ہے بہت سے علماء اور مفتی حضرات میری اس رائے سے اتفاق نہ کریں۔

دیکھئے' اس وقت ہمیں خاص حالات سے سابقہ ہے۔ ہمارا پورا ملک قرض میں جکڑا ہوا ہے۔ اس سوال کے جواب کے لئے جب ہم قرآن حکیم کی جانب رجوع کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے کیا مصارف آئے ہیں' تو بالعموم سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ ہمارے سامنے آتی ہے اور اسی کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے۔ ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ' فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ' وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

اس آیت کی رو سے فقہاء اسلام نے آٹھ مدات معین کی ہیں کہ جن میں زکوٰۃ خرچ کی جا سکتی

ہے۔ اور یہ آٹھ مدات خاص ترتیب سے آئی ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں ایسی چیزوں کے بیان میں جو ترتیب ہوتی ہے وہ بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

آیت زیر بحث کی رو سے زکوٰۃ کی پہلی دو اور سب سے مقدم مدات فقراء اور مساکین کی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾

"بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ہیں"۔

یاد رہے کہ صدقات سے مراد یہاں زکوٰۃ ہے۔ "فقراء" کے معنی "مفلس لوگ" کے ہیں۔ اور "مساکین" کا ترجمہ "محتاج لوگ" کیا جاتا ہے۔ ان دونوں میں ایک فرق ہے؟ فقراء وہ لوگ ہیں جو بالفعل مفلس' قلاش اور ضرورت مند ہوں۔ اور "مسکنت" کا لفظ کم ہمتی کے لئے آتا ہے۔ مثلاً ایک شخص ہے جو بظاہر اچھا بھلا نظر آتا ہے لیکن کسی نفسیاتی سبب سے اس میں کام کرنے کی ہمت ہی نہیں ہے۔ یعنی وہ کسی ایسی اعصابی کمزوری کا شکار ہو گیا ہے کہ ہمت نہیں رہی ہے' تو ایسا آدمی مسکین ہے۔ زکوٰۃ میں سب سے پہلا حق انہی دونوں کا ہے۔ اس میں بھی زکوٰۃ دینے والے کا فرض اولین یہ ہے سب سے پہلے اپنے قرابت داروں اور رشتہ داروں میں دیکھے کہ کون مستحق زکوٰۃ ہے اور اسے زکوٰۃ دے۔ باقی سارے مصارف زکوٰۃ بعد میں آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اسلامی حکومت قائم ہو گی اور اس میں زکوٰۃ صحیح صحیح جمع (Collect) کی جائے گی تو زکوٰۃ میں سب سے پہلا حق فقراء اور مساکین ہی کا ہو گا' بلکہ اس میں بھی یہ دیکھا جائے گا کہ جس علاقے کی زکوٰۃ ہے وہ اسی علاقے کے زکوٰۃ کے مستحق' غرباء' مساکین اور فقراء میں تقسیم کی جائے۔

اس کے بعد زکوٰۃ کی مدات کون سی ہیں؟ فرمایا:

﴿وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ یعنی زکوٰۃ وصول کرنے اور اکٹھی کرنے کے لئے جو ملازم رکھے جائیں گے ان کی تنخواہ زکوٰۃ ہی کی مد سے دی جائے گی۔ جیسے ہمارے ہاں تحصیلدار ہوتا ہے۔ اسے تحصیلدار اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ لگان وصول کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں ایک محکمہ "واصل باقی نویس" ہوتا تھا۔ لگان وغیرہ کے جو کھاتے (Accounts) ہوتے تھے یہ محکمہ ان کا حساب رکھتا تھا۔ مثلاً کوئی دیہاتی شخص کسی واصل (وصول کرنے والا) کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میرے ذمہ دس ہزار واجب الادا ہیں۔ ان میں سے یہ ہزار تو آپ لے لیجئے۔ اب واصل ایک ہزار تو وصول کر لیتا تھا اور اسے لکھ کر دے دیتا کہ اس کے ذمہ باقی کیا رہ گیا ہے۔ واصل باقی نویس ہر تحصیل میں ہوتے تھے اور پھر صدر واصل باقی نویس ضلع میں ہوتا تھا۔ میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ زکوٰۃ کی وصولی کے لئے اب جو بھی ملازم رکھا جائے گا وہ واصل ہو گا۔ اور

اس کی تنخواہ بھی زکوٰۃ میں سے دی جائے گی۔

"وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ" یعنی ان لوگوں پر بھی جن کی دلجوئی منظور ہو' زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔ مثلاً ایک ایسا دور آگیا ہے جب کہ اسلام کے غلبے کی تحریک چل رہی ہے جیسے دور نبویؐ میں چل رہی تھی' اور اس میں کسی کی تالیف قلب پیش نظر ہے تو ان پر خرچ بھی زکوٰۃ کی ایک مد ہے۔ فرض کیجئے' ایک شخص معاشرے میں بااثر ہے' لیکن ذرا کم ظرف ہے۔ اب اگر انسان یہ سمجھے کہ کسی ذریعے سے اس کو مال دے کر اس کے دل کو نرم کیا جاسکتا ہے اور نتیجتاً ہماری اسلامی تحریک کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور عوام کے لئے آسانی اور بہتری پیدا ہو جانے کا امکان ہے' تو تالیف قلب کی مد میں اس کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ اگرچہ اس مد کے بارے میں حضرت عمرؓ نے فتویٰ دے دیا تھا کہ اب یہ مد ختم ہو چکی ہے۔ کیونکہ اب اسلام کا غلبہ ہے اور لوگ محض اپنی غرض کے لئے بھی اسلام کی طرف آتے ہیں۔ تاہم چونکہ قرآن مجید میں یہ موجود ہے' اور اسلام بھی آج مغلوب ہے' لہٰذا اگر اسلام کے لئے پھر کوئی تحریک اسی نہج پر چل رہی ہو لیکن کوئی شخص بہت مخالفت کر رہا ہو تو ایسے موقع پر اس کے ساتھ تالیف قلب کا کوئی معاملہ اگر اس تحریک کے لئے مفید ہو سکتا ہو تو اسے بھی زکوٰۃ میں سے دیا جاسکتا ہے۔

آیت ہذا میں اس کے بعد زکوٰۃ کی جو دو مدات آرہی ہیں وہ ہیں :

﴿ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ ﴾

"رقاب" کے معنی "گردنوں کے چھڑانے کے" ہیں اور "رقاب" ہی میں قرض سے نجات دلانے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ گردن چھڑا دینا یہ ہے کہ کسی غلام کو خرید کر آزاد کر دیا جائے۔ تو گویا اسے ایک مخمصے سے نکال دیا گیا۔ اب وہ غلامی سے نکل کر آزاد فرد کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا ہے۔ تو اس کے لئے بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

"غارمین" وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو کوئی تاوان پڑ گیا ہو۔ قبائلی زندگی میں خاص طور پر ایسا ہوتا رہتا تھا۔ مثال کے طور پر آپ کے قبیلے کے کسی شخص نے دوسرے قبیلے کے کسی شخص کو قتل کر دیا۔ اب تاوان کی رقم پورے قبیلے کے افراد میں تقسیم ہوتی تھی۔ کیونکہ ایک آدمی کے لئے اتنا بڑا تاوان دینا مشکل ہو جاتا تھا۔ اسی طرح کسی پر کوئی اور بوجھ آگیا ہے جس سے چھٹکارا پانا اس کے لئے مشکل ہے تو اس بوجھ سے نجات دلانے کے لئے بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ "رقاب" اور "غارمین" بھی جوڑا ہے۔ یہ بھی ایک دوسرے کے بالکل اسی طرح مشابہ ہیں' جیسے "فقراء" اور "مساکین" اور "والعٰملین علیہا" اور "المؤلفۃ قلوبھم" مشابہ ہیں۔

آگے فرمایا :

﴿وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾

ان دونوں میں بھی لفظ "سبیل" کے اشتراک نے ان کو ایک جوڑا بنا دیا ہے۔ "وفی سبیل اللہ" "اور اللہ کے راستے میں" یعنی جہاد کے لئے' اعلائے کلمتہ اللہ کی جدوجہد' دعوت اسلامی کے فروغ اور دین کی حفاظت کے لئے خرچ کرنا' فی سبیل اللہ ہے۔ مثلاً کوئی ایسا دور اگر آ جائے جس میں عوامی سطح پر دین کی تعلیم کے لئے اگر انتظام نہ کیا جائے تو دین میں بگاڑ پیدا ہونے کا خطرہ نظر آ رہا ہو تو تعلیمی مقاصد کے لئے بھی زکوۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ برصغیر میں تقسیم ہند سے قبل انگریز کی حکومت تھی۔ اور اس زمانے میں اگر دینی مدارس قائم نہ کئے جاتے اور سرکاری مدارس ہی رہتے' تو ہماری مسجدیں ویران ہو چکی ہوتیں' ان میں کوئی نماز پڑھانے والا نہ ہوتا' کوئی اذان دینے والا نہ ہوتا' کوئی خطبہ دینے والا نہ ہوتا' آج کوئی نکاح پڑھانے والا ہمیں نہ ملتا۔ لہٰذا اس وقت علماء نے زکوۃ کی رقم سے مدرسوں کے قیام اور تعلیم دین کا جو انتظام کیا' ٹھیک کیا۔ ہم بعض اوقات علماء پر تنقید کرتے ہیں تو اس حوالے سے کہ انہوں نے دنیوی تعلیم کو بالکل نظرانداز کر دیا اور یک رخی تعلیم کا بندوبست کیا' لیکن ہمیں اس کا مثبت پہلو بھی دیکھنا چاہئے۔ انہوں نے اس پرفتن دور میں روکھی سوکھی کھا کر گزارا کیا اور حفاظت و اشاعت دین کے لئے جابجا مدرسے بنائے۔

"وَابْنِ السَّبِیْلِ" یعنی راہ گزر' مسافر بھی زکوۃ کا استحقاق رکھتے ہیں۔ ابتداء اسلام کے زمانے میں نہ کوئی سرائیں تھیں' نہ کہیں موجودہ دور کی طرح کے سفر کے مناسب انتظامات تھے اور نہ ہی ہوٹل تھے۔ مزید برآں یہ کہ سفر میں ڈاکے پڑتے تھے' چوریاں ہو جاتی تھیں' کوئی حفاظت نہیں تھی' لہٰذا ایسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ کوئی کھاتا پیتا شخص بھی اثنائے سفر میں کسی پتا اور مصیبت کا شکار ہو جاتا تھا اور یہ صورت آج بھی پیش آ سکتی ہے۔ لہٰذا ایسے راہ گیر اور مسافروں کی بھی زکوۃ کے ذریعے مدد کی جا سکتی ہے۔

زکوۃ کی یہ آٹھ مدات ہیں۔ ان میں سے میں سمجھتا ہوں کہ "فی سبیل اللہ" کی مد تو ہے ہی اشاعت دین کے لئے' یوں بھی حقیقت یہ ہے کہ آج فقیر اور مسکین بھی سب سے بڑھ کر ہمارا دین ہی ہے اور سب سے بڑا یتیم بھی ہمارا دین ہے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ دین کا کام کرنے والوں' خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جو ہمہ وقت تبلیغ و اشاعت دین میں لگے ہوئے ہیں اور اپنی معاش کے لئے جدوجہد نہیں کر سکتے' ان کی زکوۃ کی مد سے مدد کی جا سکتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں سورۃ البقرہ میں فرمایا : "اَلَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" "جو اللہ کی راہ میں

گھر گئے" لیکن "لَایَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا" وہ معاشی بدحالی کے باوجود لوگوں سے مانگتے نہیں ہیں' البتہ "تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمَاھُمْ" "تم ان کے چہروں سے انہیں پہچان لو گے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص مفلسی میں ہے تو چہرے کے اوپر اثرات تو ضرور ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے تمہارا فرض یہ ہے کہ تم لوگ خود ان کو تلاش کر کے انفاق فی سبیل اللہ کرو۔ یہ لوگ خاص طور پر زکوٰۃ و صدقات کے مستحق ہیں۔

بہرحال جو سوال کیا گیا ہے اس کے حوالے سے جو کچھ مجھے عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت ہماری پوری قوم "فِی الرِّقَابِ" کی مد میں بھی آتی ہے۔ اور ہمارا پورا ملک "غَارِمِیْنَ" میں بھی شامل ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک قرض چکانے کے لئے "قرض اتارو' ملک سنوارو" سکیم بھی زکوٰۃ کا صحیح مصرف ہے۔ اور اس میں ہمیں زکوٰۃ دینا چاہئے۔ البتہ یہ چیز ـــــ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ـــــ ایک شرط کے ساتھ جائز ہو گی۔ وہ شرط کیا ہے؟ وہ شرط یہ ہے کہ یہ طے کر لیا جائے کہ اس زکوٰۃ کی رقم سے قرض کے اصل زر کی ادائیگی کی جائے گی' نہ کہ اس سے اصل قرض پر جو سود ہے' وہ ادا کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ حکومت نے جو تین صورتوں میں نجات قرض کے لئے مدد کی اپیل کی ہے ان تین صورتوں کو کسی صورت بھی گڈمڈ نہ کیا جائے۔ ان میں سے ایک عطیہ ہے۔ یعنی کسی نے کوئی رقم بغیر کسی شے کے دے دی تو یہ عطیہ ہو گئی۔ دوسرے قرض حسنہ ہے۔ یعنی کسی نے کہا کہ میں دس سال کے لئے دس لاکھ روپے بغیر سود کے دے رہا ہوں۔ مجھے دس سال کے بعد اتنی ہی رقم واپس دے دی جائے۔ تیسری شکل Investment کی ہے۔ یعنی اتنے لمبے عرصے کے لئے رقم دی جائے تو اتنا فی صد زائد ملے گا۔ یہ تو سود ہے۔ لیکن اس سکیم میں زکوٰۃ کی ادائیگی اسی صورت میں جائز ہو گی جبکہ ان تینوں مدات سے آنے والی رقوم گڈمڈ نہ ہوں۔ اگر ان تینوں مدات کو گڈمڈ کر دیا جائے تو میرے نزدیک اس میں زکوٰۃ دینا درست نہ ہو گا۔ اس لئے اب اگر اس سکیم میں زکوٰۃ طلب کی جاتی ہے تو حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ ان تینوں کو علیحدہ علیحدہ رکھے۔ اور وصول ہونے والی زکوٰۃ کی رقم کو ہمارے ذمہ جو اصل قرض واجب الادا ہے' اس کا کھاتہ کھول کر اس میں ادا کیا جائے۔ تاکہ اس میں کمی آنا شروع ہو۔ اگر اس شرط کو پورا کر دیا جاتا ہے تو میرے نزدیک حکومت کی موجودہ قرض اتارو سکیم زکوٰۃ کی رقوم کا مصرف بن سکتی ہے۔

○○○

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

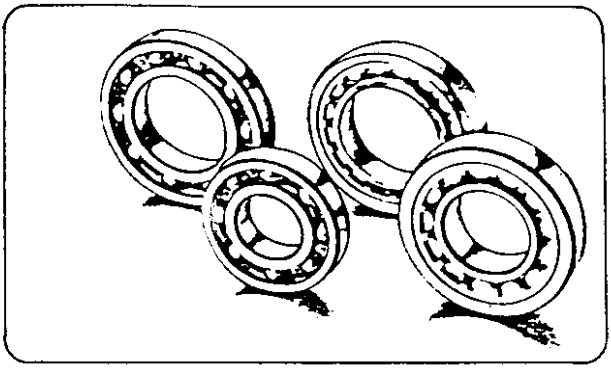

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 46 No.3
March 1997

تنظیم اسلامی

مروّجہ مفہوم کے اعتبار سے

نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ

بلکہ ایک

اسلامی انقلابی جماعت ہے

جو اوّلاً پاکستان میں اور بالآخر ساری دنیا میں دین حق یعنی

اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر نظامِ خلافت

قائم کرنا چاہتی ہے۔